سلسلۂ اشاعت نمبر ۴

سب سے پہلے مدّاحِ رسولؐ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از

علی حسنین شیفتہ ایم اے تاج الافاضل

مرکزِ اشاعت

مکتبۂ تعارفِ اسلام
منٹگمری

(مطبع سعیدی قرآن محل کراچی)

بارگاہِ رسالتمآب

میں

ایک حقیر پیشکش

علی حسنین شیفتہ

فہرست مضامین

باسمہٖ سبحانہٗ

مقدمہ

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

آج کچھ دل میں مرے درد سوا ہوتا ہے

اسلام اپنے فطری قوانین، صحیح نظریات اور بیساختہ پن کی وجہ سے دنیا کا بہترین مذہب تھا۔ اور ہے۔ مگر یہ اہلِ اسلام کی بہت بڑی بدقسمتی تھی، کہ بانیٔ اسلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی خدا کے پسندیدہ دین اسلام میں اختلافات کی وہ بھرمار ہوئی، کہ ایک اجنبی کے لئے اسلام حقیقی کی شناخت بھی دشوار ہوگئی۔ اس کی تمامتر ذمہ داری ان لوگوں پر ہے۔ جو اسلام کی روز افزوں ترقی سے خوف زدہ ہو کر بظاہر مسلمان ہوگئے تھے۔ مگر پیران اس فکر میں لگے رہتے تھے۔ کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں اسی گروہ کو قرآن منافقین کے لفظ سے یاد کرتا ہے۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم کے پست ترین طبقے میں بتاتا ہے۔ اسلام کی حقانیت عام طور سے لوگوں کے دلوں میں یوں گھر کر چکی تھی۔ کہ اس کے خلاف کھلم کھلا آواز نہیں اٹھائی جاسکتی تھی۔ لہٰذا منافقین نے اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے اور دین و مذہب کا سچا اور پکا ہمدرد جتا کے، بھولے بھالے مسلمان عوام کو دھوکہ دینا شروع کیا

اپنے کو پیغمبر اسلام کا صحبت یافتہ کہہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وہ بہتان باندھے گئے اور ایسے ایسے نئے مسئلے تراش کر آپ کی طرف منسوب کئے گئے کہ پناہ بخدا! یہ لوگ وبا کی طرح پھیلے اور گرد کی طرح چھا گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ صحیح تعلیم اسلام کچھ مختصر سے لوگوں کے حلقہ میں منحصر ہو کے رہ گئی، اور اسلام کے نام پر ایک عجیب بے ڈھنگا سا طریقہ عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس کا جیسے جی چاہا اس نے ویسی ہی شریعت بنائی اور جس صورت میں بھی مقاصد دنیوی کی کامیابی نظر آئی، منافقینِ امت نے نظریات و اعتقادات کو اسی سانچے میں ڈھال دیا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں جگہ جگہ فرقہ بندیاں ہیں۔ اور قدم قدم پر اختلافات ہیں،

چونکہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام اسلام کی نصرت اور بانیٔ اسلام کی حمایت میں سب سے زیادہ پیش پیش تھے اور انہیں کی تلوار نے قبائل عرب کے بڑے بڑے سرہنگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ لہٰذا آپ کی ذات سے منافقین کو (بالخصوص عرب ہونے کی وجہ سے) فطری طور پر نہایت گہری عداوت تھی۔ اسی وجہ سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ایمان و نفاق کی شناخت کے لئے معیار قرار دیا تھا۔ اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ رسالتمآب میں علیؑ کی محبت و عداوت سے مومن و منافق کو پہچان لیا کرتے تھے۔ بہر حال پیغمبر اسلام کے بعد منافقین کو سب سے زیادہ دشمنی علیؑ سے تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے فضائل پر پردہ ڈال کر انہیں بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا لیکن

علیؑ کی ذاتِ گرامی پیغمبرِ اسلام کا ایک عظیم الشان معجزہ تھی۔ ان کے فضائل ہر حال ابھرتے ہی رہے۔ اور دشمنوں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کرتے رہے۔ جب علیؑ کے کردار ان کے اخلاق و عادات اور ایمان پر حرف گیری کا موقع نہ مل سکا۔ تو دل کے پھپھولے یوں پھوڑے گئے۔ کہ ان کے والد محترم محسنِ اسلام حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کی طرف (معاذ اللہ) کفر کی نسبت دی گئی۔ اور انہیں کافر کہہ کر علیؑ سے دشمنی نکالی گئی۔ حالانکہ اس کے نتیجے میں خود رسول اللہ کے والدین محترمین کو بھی کافر کہنا پڑا۔

اُمّت بیچاری کے سامنے اسی قسم کے لغو خیالات پیش کیے گئے، اور انہیں کی ترویج ہوئی۔ لہٰذا آج بھی کتابوں کے اندر حضرت ابوطالبؑ کو کافر لکھا جاتا ہے۔ ان کا ذکر توہین و تذلیل سے ہوتا ہے۔ اور ان کے اسلام پر عظیم الشان و بے مثال احسانات کو بھی کانٹ چھانٹ کر بیان کیا جاتا ہے۔ مجھے بعض مسلمانوں کی ذہنیت پر اس وقت بڑا افسوس ہوا جب میں نے اردو کی ایک درسی کتاب میں محسنِ اسلام حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کا ذکر نہایت تحقیر آمیز انداز میں دیکھا۔ میرے دل میں ایک کسک سی پیدا ہوئی اور میں نے اسی وقت یہ طے کیا۔ کہ عربی کی قدیم کتابوں سے حضرت ابوطالبؑ کا ایمان۔ ان کی رسالتمآبؐ سے بے پناہ محبت اور دینِ اسلام کی اس کے نازک ترین دور میں عظیم الشان حمایت کو ثابت کرتے ہوئے ایک مختصر سی کتاب لکھوں۔ جس میں آپ کے اقوال و قصائد اور دیگر معتبر روایات و واقعات کی روشنی میں آپ کے صحیح خیالات و اعتقادات پر تبصرہ ہو۔

لیکن مجھے افسوس ہے۔ کہ میں اپنے حسبِ خواہش تمام وہ کتابیں جو مطلوب

نہیں حاصل نہ کرسکا۔ تاہم جن ماخذوں سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں وہ اپنی قدامت واعتبار کے لحاظ سے مُسلّم الثبوت ہیں، اس سلسلہ میں علامہ مسعودی کی تاریخ مروج الذہب اور علامہ ابن ہشام کی سیرت رسول اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

چونکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے روئے زمین پر سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی فرمائی، اور ایسے دور میں مدح سرائی فرمائی جبکہ دُنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے ناآشنا تھی۔ اور ان کے وجود ذی جود کو مٹا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ لہٰذا میں کتابچہ کو "سب سے پہلے مدّاحِ رسولؐ" کے نام سے موسوم کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

علی حسنین شگفتہ
مکتبۂ تعارف اسلام ننگمری
۱۵ اپریل ۱۹۵۳ء

باب اول

اشعار عرب اور ان کی اہمیت

عرب جاہلیت کی تاریخ جو کچھ بھی ہمارے پاس اس وقت موجود ہے، وہ تقریباً کُل کی کُل شعرائے عرب کے کلام سے ماخوذ و مستفاد ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں فنِ کتابت بالکل ہی مفقود نہ تھا۔ لیکن اتنا رائج بھی نہ تھا۔ جتنا آجکل ہے۔ یا ظہورِ اسلام کے بعد رفتہ رفتہ ہوتا گیا۔ لہٰذا تمام بڑے بڑے واقعات کو یاد رکھنے کے لئے شعرائے عرب انہیں نظم کا لباس پہنا دیتے تھے کیونکہ نظم کا یاد کرلینا بہ نسبت نثر کے بہت آسان ہے علاوہ بریں چونکہ زباندانی کا چرچا عام تھا۔ لہٰذا شعراء کو اس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کا کمال دکھانے کا بھی خوب موقع ملتا تھا۔ بہرحال اسلام سے پیشتر یا اس کے ابتدائی زمانے کے جو اشعار آج ہمارے سامنے موجود ہیں وہ گویا عرب جاہلیت اور اسلام کے دورِ اول کی تاریخ کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں، اگر کسی کو اس زمانے کے حالات و واقعات تہذیب و تمدن، رسم و رواج یا کسی شخص کے ذاتی خیالات و اعتقادات کی واقفیت مطلوب ہو۔ تو اس کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ اشعارِ عرب کا گہرا مطالعہ کرے۔

قدیم عربی شاعری اور جدید شاعری کا فرق

عرب جاہلیت یا صدرِ اسلام کی شاعری اور اس کے بعد کی جدید شاعری میں

زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بعد کی پُر تکلّف شاعری میں زیادہ تر تخئیل یا فرضی واقعات سے کام لیا جاتا ہے۔ شاعر اپنے سامنے ممدُوح یا معشوق کی ایک خیالی تصویر فرض کر لیتا ہے۔ اور پھر اُسی کے مطابق تخئیل کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ لیکن زمانہ جاہلیت اور صدرِ اسلام کے عرب تکلفات کی دُنیا سے ناآشنا تھے۔ ان کے دل پر جو واقعی حالات طاری ہوتے تھے وہ انہیں کی ہوبہُو تصویر اپنے الفاظ میں کھینچتے تھے۔ ان کے سامنے جو سچے واقعات ہوتے تھے، انہیں کو سادگی کے ساتھ وہ اپنے اشعار میں نظم کر دیتے تھے اس لحاظ سے ان کے اشعار گویا ان کے سچّے ترجمان ہیں۔ اہل عرب میں فخر و مباہات کا عام رواج تھا لیکن وہ اپنی یا کسی دوسرے کی تعریف صرف اسی وقت کرتے تھے جب ان کی نظر میں استحقاقِ مدح پورے طور سے پایا جاتا تھا جنگ میں اگر دشمن سے بہادری کا مظاہرہ ہوتا تو وہ دشمن کی مدح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح اگر خود اپنے قبیلے کے لوگ بزدلی دکھاتے تھے۔ تو شاعر اپنے بھائی بندوں کی بزدلی بیان کرنے میں بھی نہیں جھجکتا تھا۔ اُن کے نزدیک شعر کی خوبی کا خیال وہ تھا جسے زہیر ابی سلمیٰ نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ ؛ بَیْتٌ یُقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی بہترین شعر جسے تم کہہ سکتے ہو۔ وہ ہے کہ جب تم اُسے پڑھو۔ تو لوگ کہیں۔ "سچ کہا"

یُوں ہی مشہور ہے کہ بنی تمیم نے سلامہ بن جندل سے جو ایک جاہلی شاعر تھا

یہ فرمائش کی کہ اپنے اشعار کے ذریعے ہماری مدح کرو۔ تو اس نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔ کہ اِفعَلُو حَتّیٰ اَقُول "یعنی تم کارہائے نمایاں کرو تو میں بیان کروں" بہرحال عرب جاہلیت اور صدر اسلام کے اشعار اس زمانے کی تہذیب و تمدن اور ان لوگوں کے خیالات و اعتقادات کے آئینہ دار ہیں جب یہ حقیقت واضح ہو چکی تو ہمیں کہنے دیجیئے کہ جناب ابو طالبؑ کے کے حقیقی خیالات اور دلی جذبات کو سمجھنے کے لیئے ان کے اشعار سے زیادہ مفید ہمارے لیئے کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ مذہب کا اختلاف وہ عظیم الشان اختلاف ہے۔ جو باپ بیٹے۔ بھائی بھائی اور دوست دوست میں افتراق و نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ خصوصاً آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جبکہ مذہب کے لیئے جان لینا اور جان دینا حد سے زیادہ عام اور آسان تھا۔ ایسے ماحول اور ایسے زمانے میں کسی شخص کے لیئے یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ کسی ایسے شخص کی مدح سرائی کرے گا۔ جو خود اس کے اور اس کے باپ دادا کے مذہب کا پکا دشمن ہو۔ اس کے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہو۔ اور اس کے طریقے پر رہنے والوں کو مستحق عذاب اور جہنمی جانتا ہو۔ دیکھیئے ابو لہب بھی تو آخر رسول اللہ کا چچا ہی تھا۔ مگر اختلافِ مذہب نے اسے پیغمبرؐ کا کیسا سخت دشمن بنا دیا تھا۔ نہ اس کے دل میں خاندان کی عصبیت رہی، نہ باپ دادا کی عزت کا خیال رہا۔ اور نہ کبھی خون کی محبت ہی نے جوش مارا۔ بلکہ ان تمام چیزوں پر اس کا مذہبی تعصب۔ اس شدت سے غالب آ گیا تھا۔ کہ وہ بانیٔ اسلام

کے بدترین دشمنوں میں شمار ہوتا ہے۔ پس حضرت ابوطالبؑ کا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح مدد کرنا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں آخر وقت تک رطب اللسان رہنا، خصوصاً اُن کے تبلیغ کردہ مذہب یعنی اسلام کی حمایت و مدح کرتے رہنا۔ یہ تمام امور اس امر کی کھلی ہوئی دلیل بنتے ہیں۔ کہ آپ ایک سچے مسلمان اور پکے مومن تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ اسلام کے ایسے عظیم الشان محسنؑ تھے۔ جنہیں خود بانئ اسلام کبھی فراموش نہ کر سکے۔ للہذا آج کے مسلمان ایسے برگزیدہ اور محسن اسلام بزرگ کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہوئے خدا کا خوف کریں، فاتقوا اللہ یا اولی الالباب،

باب دوم

حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کے قصائد، قصیدہ اوّل

جب سردارانِ قریش حضرت ابوطالبؑ کے پاس رسول اللہ کی شکایت لاتے لاتے تھک گئے۔ اور کئی بار کے مسلسل تجربے کے بعد اُنہوں نے یہ دیکھ لیا۔ کہ حضرت ابوطالبؑ کبھی انہیں خوش کن باتیں سنا کر ٹال دیتے ہیں اور کبھی شکوہ و شکائیت میں اُلجھا کر اور اپنے حقوق جتا کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ غرضیکہ ہر بار وہ قریشی وفد کو دفع الوقتی کے طور پر کچھ کہہ سن کر

واپس کر دیتے ہیں اور رسُول اللہ کو تبلیغ اسلام سے منع ہی نہیں کرتے تو انہوں نے خود حضرت ابوطالبؑ کی مخالفت شروع کر دی، اور تمام قبیلے والوں نے مل کر یہ طے کیا، کہ وہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو ستاؤ"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسُول اللہ کو تو حضرت ابوطالبؑ کے جیتے جی کوئی کڑی نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ اُن مسلمانوں کی زندگی دُو بھر ہونے لگی جو کفّار کے زیر اثر تھے،

حضرت ابوطالب نے قوم والوں کا جب یہ حال دیکھا، اور ان کی سرکشی کا خطرہ محسوس کیا تو اپنے خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنی نصرت اور رسول اللہ کی حمایت پر آمادہ کیا۔ بنی ہاشم کے تمام افراد نے اپنے محترم سردار کی آواز پر لبیک کہا بس ایک ابولہب ایسا تھا جس نے حمایتِ رسُول سے انکار کیا تھا۔ جناب ابوطالبؑ نے بنی ہاشم کی فرمانبرداری اور اس کارِ خیر پر مستعدی دیکھ کر حسب ذیل اشعار کہے تھے۔ جن کے ذیل میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا بھی یُوں فرمائی ہے کہ سوائے ایک مومن کامل کے کسی دُوسرے کی زبان سے یہ الفاظ نکل ہی نہیں سکتے،

(حوالے کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام جلد اول برحاشیہ زاد المعاد ص ۱۴۳-۱۴۰

ہ۔ اِذَا اجْتَمَعَتْ یَوْمًا قُرَیْشٌ لِمَفْخَرٍ ۞ فَعَبْدُ مَنَافٍ سِرُّھَا[1] وَصَمِیْمُھَا[2]

(ترجمہ) اگر کسی دن تمام قریش والے کسی مقام فخر پہ جمع ہوں (اور سبب فخر پہ مباہات کرنے لگیں) تو عبد مناف کی اولاد ان سب میں بہترین اور تمام فضائل کی رُوح ہو گی

[1] السِّرّ ھُوَ خالص الشیّ، ای اطیب الشیٔ و افضلہ ۱۲ منہ [2] الصَّمِیْمُ ھُوَ خالص الشئ و محضہ فیقال ھو من صمیم القوم ای من اصلھم و خالصھم ۱۲ منہ)

۲ فَاِنْ حَصَّلَتْ اَشْرَافُ عَبْدِ مَنَافِهَا، فَفِيْ هَاشِمٍ اَشْرَافُهَا وَ قَدِيْمُهَا

(ترجمہ) اگر بنی عبد مناف کے شرفا اکٹھے ہوں، تو اُن میں سے صاحبان شرف اور قدیمی فضل و کرم والے سب خاندانِ ہاشم سے ہوں گے۔

۳ وَاِنْ فَخَرَتْ يَوْمًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا ۞ هُوَ الْمُصْطَفٰى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيْمُهَا.

(ترجمہ) اگر بنی ہاشم کے اشراف کسی دن فخر کرنے لگیں۔ تو ان سب میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) وُہ ہیں۔ جو ان کے خالص ترین و بہترین لوگوں میں بھی برگزیدہ ترین ہیں۔

تبصرہ۔ شعر مذکور میں ذرا زورِ مدحت تو ملاحظہ ہو۔ جناب رسالتمآبؐ کو حضرت ابو طالبؑ تمام اشراف بنی ہاشم میں برگزیدہ ترین مانتے ہیں، انصاف تو کیجئے اگر رسول اللہ سے (معاذ اللہ) شرف نبوت کو الگ کر لیا جائے۔ اور انہیں صرف جاہلی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔ تو وہ اپنے خاندانی بزرگوں سے کسی طرح بھی افضل و برتر نہیں ہو سکتے (جیسا کہ ابو لہب اور دوسرے کفار کا خیال تھا) لیکن اگر کوئی انہیں پیغمبر خدا اور خاتم النبیینؐ کی حیثیت سے دیکھے، تو وہ بنی ہاشم تو کیا کائنات سے برتر نظر آئیں گے پس حضرت ابو طالبؓ کا آنحضرتؐ کو تمام بزرگانِ خاندان اور اشراف بنی ہاشم سے افضل و برتر ماننا اس امر کی دلیل بیّن ہے۔ کہ وُہ آنحضرتؐ کو محمدؐ ابن عبد اللہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ محمد رسولؐ کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

علاوہ بریں لفظ مصطفےٰ کا استعمال بھی اسی امر کو واضح کرتا ہے۔ کہ حضرت ابو طالبؓ آنحضرتؐ کو خدا کا برگزیدہ ہی مانتے تھے۔ کیونکہ لفظ مُصطفےٰ کے

معنی ہیں "چنا ہوا، منتخب کیا ہوا یا برگزیدہ" اور ظاہر ہے کہ رسول خدا کو نہ بنی ہاشم نے سرداری کے لئے یا کسی اور دنیاوی شرف کے لئے منتخب کیا تھا نہ قریش نے، بلکہ آنحضرتؐ کو اگر منتخب اور برگزیدہ کیا تھا تو اللہ نے اپنی پیغمبری ختم نبوت کے لئے پس جو شخص آپ کو برگزیدہ و مصطفےٰ مانتا ہے وہ آپ کی نبوت کا قائل اور مومن مسلمان ہے۔

۴؎ تَدَاعَتْ قُرَیْشٌ غَثُّھَا وَ سَمِیْنُھَا، عَلَیْنَا فَلَمْ تَظْفَرْ وَ طَاشَتْ حُلُوْمُھَا

ترجمہ:۔ قریش کے دُبلے موٹے سبھی ہماری مخالفت پر آ گئے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، اور ان کی عقلیں گم ہو گئیں؛

۵؎ وَ کُنَّا قَدِیْمًا لَا نُقِرُّ ظُلَامَۃً ؛ اِذَا مَا ثَنَوْا صُعْرَ الْخُدُوْدِ نُقِیْمُھَا

ترجمہ۔ اور ہم تو ہمیشہ سے ایسے ہیں کہ کسی کا ظلم برداشت نہیں کرتے بلکہ جب قریش کے لوگ کبر و غرور سے اپنی بچھیانیوں پر بل ڈالتے ہیں تو ہم ان کے سارے بل نکال دیتے ہیں۔ اور انہیں سیدھا کر دیتے ہیں

۶؎ وَ نَحْمِیْ حِمَاھَا کُلَّ یَوْمٍ کَرِیْھَۃٍ ؛ وَ نَضْرِبُ عَنْ اَحْجَارِھَا مَنْ یَرُوْمُھَا

ترجمہ۔ حالانکہ ہمیں وہ ہیں کہ قریش ہر برے دن ان کی چراگاہوں کو بچاتے ہیں اور ان کی پہاڑیوں سے ان دشمنوں کو مار بھگاتے ہیں جو ان پر چڑھائی کرتے ہیں

۷؎ بِنَا انْتَعَشَ الْعُوْدُ الذَّوَاءُ وَ اِنَّمَا ؛ بِاَکْنَافِنَا تَنْدٰی وَ تَنْمِیْ اُرُوْمُھَا

ترجمہ۔ ہمارے ہی ذریعے سے قریش کی ٹیڑھی لکڑی سیدھی ہوئی اور

۴؎ تداعی اجتمعوا ای اقبل ۱۲ منہ ۵؎ الغث ای المھزول ۱۲ منہ ۶؎ ای ذھبت عقولھم ۱۲ منہ

ہمارے ہی سایۂ عاطفت میں اس کی جڑیں تر رہتی ہیں۔ اور پھلتی پھولتی ہیں۔

قصیدہ دوم

جب موسم حج قریب آیا تو کفارِ قریش ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ اور مشورہ کیا کہ "قبائلِ عرب جو دور دراز مقامات سے زیارت کعبہ کو آئیں گے اور محمدؐ سے آیاتِ قرآنی سُنیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی نئے مذہب کو قبول کر لیں، لہٰذا ہم سب متفق ہو کر کوئی ایسی بات سوچ لیں۔ جو محمدؐ کے خلاف ہو اور اُسی کو ہم سب بلا اختلاف لوگوں کے سامنے دُہراتے جائیں" چنانچہ بڑی ردّ و قدح کے بعد ولید بن مغیرہ کی رائے سے یہ طے پایا کہ "محمدؐ کو (معاذ اللہ) ساحر کہا جائے"

موسم حج آیا اور قریش کے اوباش راستوں پر دھرنے دیکر بیٹھ گئے۔ انہوں نے آنیوالے عربوں سے مکے میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ کہدیا کہ "ہمارے قبیلے کا ایک شخص محمدؐ نامی (خاکم بدہن) ساحر ہو گیا ہے۔ جس کی باتوں میں یہ اثر ہے۔ کہ وہ آدمی کو اس کے ماں باپ بھائی، اور قبیلے سے بھی چھڑا دیتا ہے۔ لہٰذا خبردار تم لوگ اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بلکہ اس کے الفاظ کو بھی کان نہ لگانا" بس پھر کیا تھا۔ جاہل عربوں نے اپنے کانوں میں روئیاں بھر لیں یا کانوں میں انگلیاں لگا لیں، تاکہ آوازِ حق سے ان کے کان آشنا ہی نہ ہو سکیں، اس مخالفت و عداوت کو دیکھ کر جناب ابو طالبؑ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں قریش کے لوگ دیگر قبائلِ عرب کے ہمراہ اچانک حملہ نہ کر دیں

لہٰذا آپ نے مندرجہ ذیل شاندار قصیدہ انشا فرمایا۔ جس میں آپ نے اپنا اور اپنے بزرگوں کا شرف واضح کرکے یہ بتایا کہ وہ خانۂ خدا کے محافظ اور متولی ہیں۔ اور کفار کے شر سے اسی خانۂ خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف لفظوں اور زور دار لہجے میں فرمادیا ہے۔ کہ وہ نصرت رسول سے باز نہیں آسکتے۔ چاہے اس مقصد کے لیے ان کی جان بھی کام آجائے۔ (ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲-۱۴۱)

۱۔ وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيهِمُ ؛ وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَىٰ وَالْوَسَائِلِ

ترجمہ۔ اور جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں ذرا بھی محبت مروت نہیں رہی۔ اور انہوں نے تمام وسیلے ملاپ کے، ذرائع منقطع کردیئے۔

۲۔ وَقَدْ صَارَحُونَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْأَذَىٰ ؛ وَقَدْ طَاوَعُوا أَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ

ترجمہ۔ اور انہوں نے ہماری عداوت و ایذا رسانی کا اعلان کردیا۔ اور ہم سے الگ ہونے والے دشمن کی بات مان لی۔

۳۔ وَقَدْ حَالَفُوا قَوْمًا عَلَيْنَا أَظِنَّةً ؛ يَعَضُّونَ غَيْظًا خَلْفَنَا بِالْأَنَامِلِ

ترجمہ۔ نیز ان لوگوں نے ایسی قوم کے ساتھ نصرت و رفاقت کے حلف اٹھائے جو ہمارے خلاف بڑی بدظنی رکھنے والے ہیں۔ اور ہمارے پیٹھ پیچھے ہم پر غصہ کرکے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹتے ہیں۔

۴۔ صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِي بِسَمْرَاءَ سَمْحَةٍ ؛ وَأَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ

---

[۱] الناحیہ والمساحتہ ۱۲ منہ [۲] ای المفارق ۱۲ منہ [۳] السیف القاطع ۱۲ منہ [۴] جمع مقول

تونئیں نے ان کے لیئے اپنے نفس کو آمادہ کرلیا۔ بے دھڑک خون بہانے والے گندم گوں نیزے اور چمکدار کاٹنے والی تلوار کے استعمال پہ جو فصیح و بلیغ ہندگوں سے میراث میں ملی ہے۔

۵ وَاَحْضَرْتُ عِنْدَ الْبَيْتِ رَهْطِي وَاِخْوَتِي ÷ وَاَمْسَكْتُ مِنْ اَثْوَابِهِ بِالْوَصَائِلِ

ترجمہ۔ اور میں نے خانہ خدا کے سامنے اپنے خاندان اور اپنے بھائیوں کو پیش کردیا۔ اور اس کے یمنی پردے کو پکڑ لیا

۶ قِيَامًا مَعًا مُسْتَقْبِلِينَ رِتَاجَهُ ÷ لَدَى حَيْثُ يَقْضِي حَلْفَهُ كُلُّ نَافِلِ

ترجمہ۔ اس حالت میں کہ وہ سب کے سب دروازہ بیت اللہ کی طرف منہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ اسی مقام پہ جہاں ہر قسم کھانیوالا اپنی قسم کو پورا کرتا ہے

۷ وَحَيْثُ يُنِيخُ الْاَشْعَرُونَ رِكَابَهُمْ ÷ بِمُفْضَى السُّيُولِ مِنْ اِسَافٍ وَنَائِلِ

ترجمہ۔ اس مقام پہ جہاں گھنے لمبے بالوں والے (عرب) لوگ اپنی سواریاں بٹھاتے ہیں۔ جو جانوران قربانی کے خون بہنے کا مقام اساف و نائل بتوں کے بیچ میں ہے۔

۸ مُوَسَّمَةَ الْاَعْضَادِ اَوْ قَصَرَاتِهَا ÷ مُخَيَّسَةً بَيْنَ السَّدِيسِ وَبَازِلِ

ترجمہ۔ ان کے ناقے اس حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کے کاندھے یا گردنوں کی جڑیں رنگی ہوتی ہیں اور وہ سواری کر کے تھکائے ہوئے بھی ہوتے ہیں نیز ان کا سن پانچ چھ سال کے درمیان ہوتا ہے۔

۹ تَرَى الْوَدْعَ فِيهَا وَالرُّخَامَ وَزِينَةً ÷ بِاَعْنَاقِهَا مَعْقُودَةً كَالْعَثَاكِلِ

ترجمہ۔ تم ان ناقہائے قربانی کی گردنوں میں کوڑی، سنگ مرمر کے ٹکڑے اور دوسری

زینت کی چیزیں لٹکتی ہوئی دیکھو گے۔ جیسے ہودج وغیرہ میں لٹکائی جانے والی

چیزیں ہوتی ہیں۔

۱۰ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ کُلِّ طَاعِنٍ ٭ عَلَیْنَا بِسُوْءٍ اَوْ مُلِحٍّ بِبَاطِلِ

ترجمہ۔ (جب میں نے اپنے بھائیوں اور خاندان والوں کو بیت اللہ کے

سامنے لاکر کھڑا کر دیا تھا تو خانہ کعبہ کا پردہ تھام کر میں یہ کہہ رہا تھا) میں تمام

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر اس شخص سے جو ہماری برائی کے

طعن وتشنیع کرے یا کسی لغو اور بے ہودہ بات پہ اصرار کرے،

۱۱ وَمِنْ کَاشِحٍ یَسْعٰی لَنَا بِمَعِیْبَۃٍ ٭ وَمَنْ یُلْحِقُ فِی الدِّیْنِ مَا لَمْ نُحَاوِلِ

ترجمہ۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) ہر اس شخص سے جو ہماری بدگوئی کے لیے

دوڑتا پھرتا ہے۔ اور اس سے بھی جو دین میں ایسی چیزوں کا الحاق کرتا ہے

جس کا ہم ارادہ نہیں رکھتے،

۱۲ وَبِالْبَیْتِ حَقِّ الْبَیْتِ مِنْ بَطْنِ مَکَّۃٍ ٭ وَبِاللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِغَافِلِ

ترجمہ۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس محترم گھر اور اس کے حق کی جو وادی

مکہ میں واقع ہے اور پناہ مانگتا ہوں خدا کی۔ یقیناً خدا غافل نہیں ہے،

۱۳ وَبِالْحَجَرِ الْمُسْوَدِّ اِذْ یَمْسَحُوْنَہٗ ٭ اِذَا اکْتَنَفُوْہُ بِالضُّحٰی وَالْاَصَائِلِ

ترجمہ۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) حجر اسود کی اس موقع پر جبکہ لوگ اسے

دن چڑھے اور سہ پہر کے وقت گھیر کھڑے ہوں اور بوسہ دیتے ہوں،

۱۴ وَمَوْطِئِ اِبْرَاھِیْمَ فِی الصَّخْرِ رَطْبَۃً ٭ عَلٰی قَدَمَیْہِ حَافِیًا غَیْرَ نَاعِلِ

ترجمہ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس مقام ابراہیمؑ کی جہاں حضرت ابراھیم

پتھر پر ننگے پیر بغیر نعلین اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے۔

وَاَشْوَاطِ بَیْنَ الْمَرْوَتَیْنِ اِلَی الصَّفَا۔ وَمَا فِیْھِمَا مِنْ صُوْرَۃٍ وَ تَمَاثِلٍ

(ترجمہ) اور (پناہ مانگتا ہوں میں) صفا و مروہ کے درمیان حاجیوں کے دوڑنے کی اور اُن صورتوں اور تمثالوں کی جو اُن دونوں کے درمیان ہیں۔

تبصرہ:۔ اِس شعر میں صورتوں اور تمثالوں کی پناہ مانگنے سے کسی کو غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ کسی چیز کی پناہ مانگنے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ گویا اس چیز کے واسطے کسی بُری اور مکروہ چیز سے حفاظت طلب کی جاتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ میں تمہارے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی خدا کے واسطے سے میں تمہارے شر سے محفوظ رہنا چاہتا ہوں۔ یہ جملہ اسی سے کہا جاسکتا ہے۔ جو خدا کو مانتا ہو۔ ایسے موقعوں پر ان لوگوں یا ان چیزوں کی پناہ مانگنا یا واسطہ اور قسم دلانا جائز ہے۔ جو مخاطب کے نزدیک قابلِ احترام ہیں خواہ وہ خود قائل کے نزدیک قابلِ احترام ہوں یا نہ ہوں۔ لہٰذا حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کا صفا و مروہ کے درمیان والی صورتوں اور تمثالوں کا واسطہ دلانا اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ چیزیں کفارِ عرب و قریش کے نزدیک محترم تھیں۔ اور حضرت ابوطالب ان کے اچانک حملے سے رسولِ اکرم کو اور خود اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیئے ان کی محترم چیزوں کا واسطہ دلا کر ان سے پناہ مانگتے تھے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والے شعر میں آپ تمام سوار اور پیدل آنیوالے حاجیوں کا واسطہ دلاتے ہیں۔ یہ طریقہ صرف کفارِ عرب و قریش کے دلوں کو نرم کرنے کیلئے اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے

اس کے معنی یہ ہرگز نہ سمجھنے چاہئیں کہ (معاذ اللہ) یہ صورتیں اور تمثالیں وغیرہ حضرت ابوطالبؑ کے نزدیک بھی قابلِ احترام تھیں،

علاوہ بریں یہ شعر حضرت ابوطالبؑ کے اس بے پناہ تدبر کو بھی بتاتا ہے۔ جس کی بنا پر انہوں نے رسول اللہؐ کو دشمنوں کے شر سے بچا کر تبلیغ اسلام کا وافر موقع دیا۔ یعنی یہ کہ آپ نے کفارِ قریش کو خود اپنے مسلمان ہونے کا علم نہ ہونے دیا۔ اور اس انداز سے کہ غلط بیانی بھی نہ ہو۔ اور راز بھی فاش نہ ہو۔ آپ عام طور سے ان لوگوں پہ یہی ظاہر فرماتے رہے۔ کہ گویا وہ قریش والوں ہی کے ہم مذہب ہیں، لیکن عملی طور سے نصرتِ اسلام کا یہ عالم تھا۔ کہ رسول اللہؐ سے یہ فرما دیا تھا کہ "جانِ عم، تم دل کھول کر تبلیغ حق کرو، اور نہایت بیباکی سے اِن خود ساختہ بتوں کی مذمت کرو، میرے جیتے جی تمہیں کوئی تیز نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتا"، نیز اپنے فرزند ارجمند حضرت علیؑ سے کہہ دیا تھا۔ کہ "تم کھلم کھلا اپنے بھائی کا ساتھ دو۔ کیونکہ تمہارا بھائی تمہیں نیکی و حق پرستی کے سوا کسی اور راہ پہ نہیں لگاتا" اِس حکیمانہ تدبر یا بزبانِ شریعت "تقیہ" کی عظیم الشان مصلحتیں آئندہ صفحات میں انشاء اللہ واضح طور سے بیان کی جائیں گی۔

۱۶ وَمَنْ حَجَّ بَيْتَ اللهِ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ ❊ وَمِنْ كُلِّ ذِي نَذْرٍ وَمِنْ كُلِّ رَاجِلٍ

ترجمہ۔ اور پناہ مانگتا ہوں میں، ہر اس شخص کی جو خانہ خدا کا قصد کر کے آیا، سوار پیدل یا صاحبانِ نذر میں سے،

تبصرہ، یہ شعر صاف بتاتا ہے۔ کہ اس میں اور اس سے پہلے والے شعر میں

جن چیزوں کے واسطے سے پناہ ڈھونڈی گئی ہے۔ ان کا ذکر صرف ان کفار کا دل اپنی طرف موڑنے کیلئے کیا گیا ہے۔ جن کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے

۱۷ وبالمشعر الاقصیٰ اذا عمدوا لہٗ ؛ الٰا الیٰ مفضی الشراج القوابل

ترجمہ :۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس دور والے مشعر کی جس وقت لوگ اس کی طرف جائیں یعنی وہ عرفات کا پہاڑ جو وادیوں کی طرف آنے والے چشموں کی گذرگاہ تک ہے۔

۱۸ وموقفہم فوق الجبال عشیۃ ؛ یقیمون بالایدی صدور الرواحل

ترجمہ :۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) حاجیوں کے پہاڑوں پر ٹھہرنے کی اس رات کو جبکہ وہ اپنے ہاتھوں سے سواریوں کے سینوں کو اٹھاتے ہیں۔

۱۹ ولیلۃ جمع والمنازل من منیٰ ؛ وھل فوقہا من حرمۃ ومنازل

ترجمہ۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس رات کی جس رات کو لوگ میدان منیٰ میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور منزل کرتے ہیں۔ کیا اس سے بلند تر کوئی حرمت والی منزل ہو سکتی ہے

۲۰ وجمع اذا ما المقربات اجزنہ ؛ سراعا کما یخرجن من وقع وابل

ترجمہ۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس اسپد ل چلنے والے) مجمع کی جس سے کریم النسل گھوڑیاں تیزی سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔ گویا وہ بڑی بوند کی بارش سے بھاگتی ہیں۔

۲۱ وبالجمرۃ الکبریٰ اذا صمدوا لہا ؛ یؤمون قذفا راسہا بالجنادل

ترجمہ :۔ اور (پناہ مانگتا ہوں میں) اس بڑے کنکریوں کے ٹیلے کی جس کا لوگ

قصد کرتے ہیں۔ اُسے پتھروں سے مارنے کیلئے۔

۲۲ فَھَل بَعدَ ھٰذا مِن مَعاذٍ لِعائذٍ ۔ وَھَل مِن مُعیذٍ یَتّقی اللہَ عادل

ترجمہ:۔ پس کیا اس کے بعد بھی کسی پناہ ڈھونڈھنے والے کے لئے کوئی جائے پناہ رہ جاتی ہے؟ اور کیا کوئی ایسا پناہ دینے والا ہے۔ جو خوف خدا کرتا ہو۔ اور انصاف پسند ہو۔

۲۳ یُطاعُ بِنا اَمرُ العِدا وُدّ اَنّنا ۔ یُسَدُّ بِنا اَبوابُ تُرکٍ وکابُلِ

ترجمہ:۔ ہمارے معاملے میں دشمنوں کی بات مانی جاتی ہے۔ یہ چاہتے ہوئے کہ شاید ہم پر ترک و کابل کے دروازے بھی بند کر دیئے جائیں۔

۲۴ کَذَبتُم وَبَیتِ اللہِ نَترُکُ مَکّۃً ۔ وَنَظعَنُ اِلّا اَمرُکُم فی بَلابِلِ

ترجمہ:۔ خانہ خدا کی قسم تم نے ہمارے متعلق جھوٹ کہا اور غلط سمجھا کہ ہم مکّے کو چھوڑ دیں گے۔ اور یہاں سے چلے جائیں گے البتہ یہ کہ تمہارا معاملہ انتشار و گڑبڑی میں ہے۔

۲۵ کَذَبتُم وَبَیتِ اللہِ نُبزی مُحَمّداً ۔ وَلَمّا نُطاعِن دُونَہ وَنُناضِلِ

ترجمہ:۔ بیت اللہ کی قسم تم نے (ہمارے متعلق) یہ غلط کہا۔ کہ ہم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ) کو مجبور کریں گے۔ (کہ وہ تمہارے خداؤں کو برا نہ کہیں) اور یہ کہ ہم ان کی حمایت میں تم سے نیزہ بازی و تیر اندازی نہ کریں گے۔

۲۶ وَنُسلِمُہ حَتّٰی نُصَرَّعَ حَولَہ ۔ وَنَذھَلُ عَن اَبنائِنا وَالحَلائِلِ

ترجمہ:۔ اور اے تم نے یہ بالکل غلط سمجھا ہے کہ ہم انہیں (یعنی رسول اللہ کو) چھوڑ دیں گے یا تمہارے سپرد کر دیں (نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) یہاں تک

کہ ہم ان کے ارد گرد دا‌ؤں کی مار دکرتے ہوئے گرا دیئے جائیں۔ اور ہم اپنے بیوی بچوں کو بھی بھول جائیں،

۲۷ وَيَنْهَضُ قَوْمٌ بِالْحَدِيدِ اِلَيْكُمُ ‌+ نُهُوضَ الرَّوَايَا تَحْتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ

ترجمہ۔ اور یہاں تک کہ تمہاری طرف ایک قوم ہتھیاروں سے مسلح ہوکر ایسی تیزی سے بڑھے۔ جیسے پیاسے حیوانات جو تلواروں کی جھنکار سے بھڑک کر (پانی کی طرف) بھاگ رہے ہوں۔

۲۸ وَحَتّٰى تَرَى ذَا الضِّغْنِ يَرْكَبُ رَدْعَهُ ‌+ مِنَ الطَّعْنِ فِعْلَ الْاَنْكَبِ الْمُتَحَامِلِ

ترجمہ:۔ اور یہاں تک کہ کینہ ور کو دیکھوگے کہ وہ نیزہ کھاکر یوں گرتا ہے۔ جیسے ایک پہلو پر چلنے والا اور بمشکل اٹھ سکنے والا لڑکھڑاکر گرتا ہے۔

۲۹ وَاِنَّا لَعَمْرُ اللّٰهِ اِنْ جَدَّ مَا اَرٰى ‌+ لَتَلْتَبِسَنْ اَسْيَافُنَا بِالْاَمَاثِلِ

ترجمہ:۔ اور خدا کی قسم، اگر یہ حالات جو میں دیکھ رہا ہوں۔ یونہی سخت ہوتے رہے تو (یاد رکھو) ہماری تلواریں بڑے بڑے سرداروں کے خون سے آغشتہ ہوں گی،

۳۰ بِكَفِّي فَتًى مِثْلِ الشِّهَابِ سَمَيْدَعٍ ‌+ اَخِي ثِقَةٍ حَامِي الْحَقِيقَةِ بَاسِلِ

ترجمہ:۔ (وہ تلواریں) ایسے کریم النفس انسان کے ہاتھ میں ہوں گی۔ جو مثل شہاب ثاقب چمک رہا ہوگا۔ نیز وہ قابل اعتماد، حق کی حمایت کرنیوالا اور بہادر ہوگا۔ (غالباً حضرت ابوطالبؑ خود اپنی طرف اشارہ کر رہے ہیں)

۳۱ شُهُورًا وَاَيَّامًا وَحَوْلًا مُحَرَّمًا ‌+ عَلَيْنَا وَتَاْتِي حِجَّةٌ بَعْدَ قَابِلِ

ترجمہ:۔ (یہ شمشیر زنی اور جنگ ہوتی رہے گی) مہینوں اور بہت دنوں تک

بلکہ پورے اُس سال تک جو ہمارے لئے (انہماکِ لذت وغیرہ کے لحاظ سے)
حرام ہوگا۔ اور اسی طرح ایک حج کے بعد دوسرا موسمِ حج آجائے گا۔

۳۲ وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا أَبَا لَكَ سَيِّدًا ✦ يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

ترجمہ:۔ اور وائے ہو تجھ پر! کسی قوم کا اپنے ایسے سردار (یعنی رسول اللہ) کو چھوڑنا
ہی کیسا؟ جو اپنے گھر والوں کا ہر حال میں شریک کار رہتا ہے۔ نہ وہ سخت
زبان ہے اور نہ بیٹھو ہے۔

۳۳ وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ✦ ثِمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ

ترجمہ۔ اور وہ (سردار یعنی رسول اللہ) ایسے روشن وتاباں چہرے والے ہیں
کہ ان کے روئے مبارک کی برکت سے ابرِ رحمت کی بارانی طلب کی جاتی ہے
وہ یتیموں کے فریادرس اور بیواؤں کے ملجا و ماویٰ ہیں،

۳۴ يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ✦ فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

ترجمہ:۔ وہ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسے ہیں کہ فقراء بنی ہاشم
انہی کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس آکر وہ فقراء گویا رحمت کی
(آغوش) اور احسانات (کی چھاؤں) میں پہنچ جاتے ہیں،

۳۵ لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِأَحْمَدٍ ✦ وَإِخْوَتِهِ دَأْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

ترجمہ:۔ میری جان کی قسم مجھے احمد (مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے
بھائیوں (غالباً علی وجعفر وغیرہ) سے وہ عشق ہے۔ جو ایک سچے عاشق کو
اپنے محبوب سے ہوتا ہے۔

۳۶ فَلَا زَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالًا لِأَهْلِهَا ✦ وَزَيْنًا لِمَنْ وَالَاهُ رَبُّ الْمَشَاكِلِ

ترجمہ: پس خدا کرے یہ (محمدؐ) دنیا میں ہمیشہ ہمیش اہلِ دنیا کے لئے جمال بن کر رہیں۔ اپنے محبت کرنے والوں کے لئے باعثِ زیب و زینت ہوں۔ اور سخت سے سخت امور پر قادر ہونے والے ہوں

۳۷ فَمَنْ مِثْلُهٗ فِي النَّاسِ اَيُّ مُؤَمَّلٍ + اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

ترجمہ: پس لوگوں میں ان کا مثل کون ہو سکتا ہے؟ وہ کتنی بڑی امید گاہ ہیں، اس وقت جبکہ فیصلہ کرنے والے ایک دوسرے کا فضل جانچنے کے لئے ان کے فضل و شرف کا اندازہ لگائیں۔

۳۸ حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ + يُوَالِي اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ

ترجمہ: وہ بردبار۔ نیک چلن، انصاف ور اور غصہ نہ کرنے والے انسان ہیں وہ ایسے خدا سے محبت کرتے ہیں۔ جو ان سے غافل نہیں رہتا۔

۳۹ وَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ اَجِيْءَ بِسُبَّةٍ + تُجَرُّ عَلٰى اَشْيَاخِنَا فِي الْمَحَافِلِ،

۴۰ لَكُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰى كُلِّ حَالَةٍ + مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

ترجمہ: پس خدا کی قسم اگر ہمیں اور ہمارے بزرگوں کو کھلے عام محفلوں میں گالی دیئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً ہم ان کی (یعنی رسول اللہ کی) بہر طور (ظاہر بہ ظاہر) پیروی کر لیتے خواہ وہ زمانے کے ہاتھوں ہماری کیسی ہی حالت کیوں نہ ہوتی۔ یہ بات حق ہے کوئی مذاق نہیں،

تبصرہ۔ چونکہ حضرت ابو طالبؑ اپنی دور اندیشی اور مصلحت بینی کی وجہ سے کفار قریش پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کہ وہ بھی حلقہ بگوشانِ اسلام میں سے ہیں۔ للہٰذا مذکورۃ الصدر اشعار میں ایسی چھپی ہوئی بات فرما دی۔ جو عرب کی

ذہنیت سے پوری طرح میل کھاتی تھی، اور کمال بلاغت یہ ہے۔ کہ ایک طرف جاہل عربوں کو اطمینان بھی ہوگیا۔ کہ ابو طالبؑ مسلمان نہیں ہوئے اور دوسری طرف کذبِ صریح کا ارتکاب بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ کفار کے دیکھنے میں تو واقعی آپ مسلمان اور پیرو دین محمدی نہیں ہوئے تھے۔ ہاں البتہ ایک صاحب بصیرت آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ حضرت ابو طالبؑ کے دل میں پیروی دین حق کا کتنا جوش و ولولہ تھا۔ جو پردہ داری کے باوجود بھی اندازِ بیان سے صاف جھلک رہا ہے۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُکَذَّبٌ + لَدَیْنَا وَلَا یَعْنِیْ بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

ترجمہ۔ یقیناً قریش والے یہ بھی جان چکے ہیں۔ کہ ہمارا فرزند (محمدؐ) ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں ہے یعنی ہم نے ان کی تکذیب نہیں کی۔ اور وہ تو باطل بات کبھی کہتے ہی نہیں۔

تبصرہ:۔ مثل مشہور ہے کہ دل کی بات زبان پہ آہی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو طالبؑ پردہ داری و مصلحت اندیشی کے باوجود بھی یہ فرما ہی گئے کہ ہمارے فرزند محمد مصطفےٰؐ ہمارے نزدیک جھٹلائے ہوئے نہیں۔ اور نہ وہ کوئی غلط بات ہی کہتے ہیں۔ صاحبان بصیرت ذرا غور تو فرمائیں۔ اب اس سے بڑھ کر اعلانِ حق پرستی اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہم آئندہ صفحات میں (انشاءاللہ) بتائیں گے۔ کہ حضرت ابو طالب حفاظتِ اسلام اور حمایت رسولؐ کی خاطر مجبور تھے۔ کہ اپنے مسلمان ہونے کا کھلم کھلا اعلان نہ کرتے تاہم وہ نور ایمان جو دل کے ہر گوشے کو جگمگا چکا تھا۔ اس کی شعاعیں

الفاظ کے رُوپ میں پھوٹ پھوٹ کر نکل ہی آتی تھیں۔

۲۲۔ فَاَصْبَحَ نَبِیُّنَا اَحْمَدُ فِیْ اَرُوْمَۃٍ: تَقْصُرُ عَنْہٗ سَوْرَۃُ الْمُتَطَاوِلِ

ترجمہ: پس احمدِ مجتبیٰ ہمارے درمیان اس محفوظ اصل میں ہیں۔ جہاں تک کسی زیادتی کرنے والے کی قوت نہیں پہنچ سکتی (کہ انہیں ذرا بھی ستا سکے)

۲۳۔ حَدِبْتُ بِنَفْسِیْ دُوْنَہٗ وَحَمَیْتُہٗ ٭ وَدَافَعْتُ عَنْہُ بِالذُّرٰی وَالْکَلَاکِلِ

ترجمہ: میں ان کی حفاظت کے لئے اپنی جان کے ساتھ ان کے سامنے جھک پڑا ہوں اور ہر طرح سے ان کی حمائت کی ہے میں نے اپنے بازوؤں اور سینے سے ان کے دشمنوں کو روک رکھا ہے۔

۲۴۔ فَاَیَّدَہٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِہٖ ٭ وَاَظْھَرَ دِیْنًا حَقُّہٗ غَیْرُ بَاطِلِ

ترجمہ: پس ربّ العباد محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ) کی تائید اپنی نصرت سے کرے اور اس دین کو دنیا میں غالب کرے، جو سراسر حق ہے اور جس میں باطل کا شائبہ بھی نہیں،

تبصرہ۔ خدارا حضرت ابو طالبؑ کو (عیاذاً باللہ) کافر کہنے والے بتائیں۔ کہ وہ برگزیدہ شخص جو دین محمدی کو سراسر حق سمجھتا ہے۔ اور اس کی حقانیت کا یوں گرمجوشی سے اعلان کرتا ہے۔ نیز خدا سے محمد مصطفےٰ کی فتح و نصرت کے لئے دعا مانگتا ہے۔ وہ کافر کیونکر ہو سکتا ہے؟ اپنے کو مسلمان اور محسنِ اسلام عمِ محترم رسول حضرت ابو طالبؑ کو (خاکم بدہن) کافر کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں۔ کہ وہ خود کیا ہیں اور کہتے کیا ہیں؟ کاش آج دنیا میں بقول شخصے ایسے کافر ہی پیدا ہوتے

تو اسلام کو یہ بُرے دن نہ دیکھنے پڑتے ۔

مُورخ ابن ہشام اس قصیدہ غرّا کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتا ہے ، کہ "مجھ سے راویٔ مُعتبر نے بیان کیا ۔ کہ ایک بار مدینے میں شدید قحط پڑا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس اپنی داستانِ غم سُنانے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نمازِ استسقا کے لئے صحرا میں تشریف لے گئے ۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے ، اور ابھی دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہی تھے ۔ کہ ابرِ رحمت جھوم کے اُٹھا ۔ سرد ہوائیں استقبال کو بڑھیں ۔ اور مست گھٹائیں یُوں مچل کے برسیں کہ وادیوں میں رہنے والے غرقابی کے خوف سے دوڑتے ہوئے خدمت رسالت میں پہنچے ، رحمۃ للعٰلمین کے پاک و پاکیزہ لبوں کو جنبش ہوئی ، اور بارش کا بڑھتا ہوا جوش تھمنے لگا ۔ رسول اللہ کو یہ منظر دیکھ کر اپنے محترم اور محسن چچا حضرت ابو طالبؑ (رضوان اللہ علیہ) یاد آگئے اور حسرتناک لہجے میں فرمایا " کاش آج ابو طالبؓ زندہ ہوتے تو (ان کو میری یہ منزلت دیکھکر) بڑی شادمانی ہوتی " اصحاب میں سے کسی نے عرض کی " خدا کے رسُولؐ شاید آپ کو حضرت ابو طالب کا یہ شعر یاد آیا ہے

ے وَاَبیَضَ یُستَسقَی الغَمَامُ بِوَجھِہٖ ، ثِمَالُ الیَتٰمٰی عِصمَۃٌ لِلاَرَامِلِ

ترجمہ (محمد مصطفےٰ ایسے روشن چہرے والے ہیں ۔ کہ ان کے رُوئے انور کی برکت سے ابرِ رحمت کی بارش طلب کی جاتی ہے ، وہ یتیموں کے فریادرس اور بیواؤں کے جائے پناہ ہیں)

یہ سُنکر رسالتماب نے فرمایا "ہاں"

قصیدہ سوم

کفار قریش حضرت ابو طالبؑ کے جیتے جی رسول اللہ کا تو کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے۔ لیکن ایسے غریب مسلمان جو کسی طرح ان کے زیر اثر تھے۔ ان پر ان کے مظالم کا بھرپور وار ہوتا تھا۔ آخر کار مسلمانوں نے تنگ آ کر مکے سے ہجرت کی ٹھان لی۔ اور رسول اللہ سے اجازت لے کر حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان اللہ کی راہ پر ترک وطن کرنے والوں میں حضرت ابو طالبؑ کے فرزند ارجمند جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جو ان مسلمانوں کی قیادت فرما رہے تھے۔ حبش کا بادشاہ اس وقت ایک نہائت کریم النفس اور نیکدل عیسائی تھا۔ جس نے ان مہاجرین کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور یہ لوگ اس کے ملک میں باطمینان رہنے لگے۔ اِدھر کفار قریش کو جو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت جلے کٹے اور آخر کار ان کے دو آدمیوں کا ایک وفد بہت سے قیمتی تحفے لے کر نجاشی بادشاہ حبش کی خدمت میں پہنچ ہی گیا۔ مقصد صرف یہ تھا۔ کہ بیچارے مسلمانوں کو قوم کا گنہ گار ثابت کر کے مکہ واپس لے آئیں۔ اور پھر مبتلائے عذاب کریں۔ وفد میں جانے والوں میں ایک تو عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے۔ اور دوسرے عمرو بن عاص صاحب تھے۔ جنہوں نے بعد میں چولا بدل کر اسلامی دنیا میں بڑے بڑے گل کھلائے ہیں۔ بہر حال جب حضرت ابو طالبؑ کو یہ معلوم ہوا۔ کہ نجاشی کے پاس اس قسم کے لوگ اس غرض سے گئے ہیں،

کہ مسلمانوں کو وہاں بھی پناہ نہ لینے دیں۔ تو آپ نے چند شعر لکھ کر نجاشی کی خدمت میں بھیجے۔ جن کے ذریعے آپ نے نجاشی کو مسلمانوں کی مدد اور انہیں اپنی حفاظت میں رکھنے پر آمادہ کیا ہے۔ حضرت کے وہ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

حوالے کیلئے سیرت ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد صفحہ ۱۸۰ اور اس کے ماقبل ملاحظہ ہو

قصیدہ

۔ اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ فِی النَّأْیِ جَعْفَرٌ وَعَمْرٌو وَاَعْدَاءُ الْعَدُوِّ الْاَقَارِبُ

ترجمہ۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اتنے دور دراز مقام پر جعفر و عمرو (عمرو بن عاص نمائندہ کفار) کے درمیان کیسے گذری؟ اور دیگر دشمنوں کے دشمن (یعنی دوست) اقارب کا کیا حال ہے'

(۲) فَهَلْ نَالَ اَفْعَالَ النَّجَاشِیِّ جَعْفَرًا وَاَصْحَابَہٗ اَوْ عَاقَ ذٰلِكَ شَاغِبُ

(ترجمہ) پس کیا نجاشی کے نیک افعال نے جعفرؓ اور ان کے اصحاب کو پناہ میں لے لیا یا یہ کہ کسی شریر انگیز نے اس کو مسلمانوں کی مدد سے روک دیا؟

(۳) تَعَلَّمْ اَبَیْتَ اللَّعْنَ اَنَّكَ مَاجِدٌ کَرِیْمٌ فَلَا یَشْقٰی لَدَیْكَ الْمُجَانِبُ

(ترجمہ) اے بادشاہ (نجاشی) تجھے جاننا چاہیے کہ تو ایک صاحب مجد و کرم انسان ہے لہٰذا تیرے پاس کسی اجنبی مسافر (یعنی مسلمان) کو بدنصیبی کا منہ نہ دیکھنا پڑے

(۴) تَعَلَّمْ بِاَنَّ اللّٰهَ زَادَكَ بَسْطَةً وَاَسْبَابَ خَیْرٍ کُلُّهَا بِكَ لَازِبُ

ترجمہ) اور اے بادشاہ) یہ بھی جان لے کہ خدا نے تجھے بہت زیادہ قدرت عطا فرمائی ہے اور خیر کے ذرائع سب کے سب تجھ سے وابستہ ہیں (لہٰذا اگر خدا نے تیرے ساتھ نیکی کی ہے۔ تو تو بھی اس کے نیک بندوں کے ساتھ نیکی کر)

وَاِنَّکَ فَیضٌ ذُوْ سِجَالٍ غَزِیرَۃٍ + یَنَالُ الاَعَادِیْ نَفعُھَا وَالاَقَارِبُ

(ترجمہ) اور بے شک تو ایک مجسمہ فیض و کرم اور ایسی عظیم الشان عطاؤں والا ہے کہ تیری سخاوت کا نفع دوست اور دشمن سب کو پہنچتا ہے۔

قصیدۂ چہارم

واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کیلئے اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے آیات قرآنی سنیں، تو قریشی وفد کو نہایت ذلت کے ساتھ واپس لوٹا دیا جب قریش والوں نے دیکھا کہ ادھر مسلمانوں نے نجاشی کے ملک میں پناہ حاصل کرلی ہے اور ادھر رسالتمآبؐ حضرت ابو طالبؑ کے دامن حمایت میں مامون و محفوظ ہیں۔ تو ان کی کھسیاہٹ اور بوکھلاہٹ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کھسیانے پن میں وہ دیوانے پن پر اُتر آئے، چنانچہ ان کی بزم مشورت میں یہ قرار پایا کہ ایک تحریری عہد نامے کے ذریعے تمام قبائل قریش اس بات کا عہد کرلیں، کہ کوئی شخص حضرت ابو طالبؑ اور ان کے خاندان سے نہ خرید و فروخت کرے۔ اور نہ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرے۔ یہ عہد نامہ منصور ابن عکرمہ بن عامر یا بقولے نضر بن حرث کے ہاتھوں لکھا گیا۔ اور سرداران قریش کے دستخطوں کے بعد خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ تاکہ اس کی اہمیت دو چند ہو جائے۔

حضرت ابو طالبؑ رضوان اللہ علیہ نے جو یہ رنگ دیکھا۔ تو خاموشی کے ساتھ آفتاب رسالتؐ کو اپنے دامن محبت میں لئے ہوئے ایک قریب کی گھاٹی میں جا اترے جو آپ ہی کے نام نامی سے موسوم بھی تھی۔ یہ وہ گھاٹی ہے جسے تاریخ میں شعب

ابی طالبؑ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس پہاڑی جائے پناہ میں حضرت ابوطالب اپنے تمام خاندان کو لئے ہوئے تقریباً تین سال تک مسلسل سخت ترین مصائب کا سامنا کرتے رہے لیکن حبیب خدا پہ آنچ نہ آنے دی۔ خرید و فروخت کی بندش نے یہ دن دکھائے۔ کہ بنی ہاشم درختوں کی پتیوں پہ گذارہ کرنے لگے۔

قبائل قریش کا معزز ترین سردار ابوطالبؑ اپنے مختصر سے خاندان کو لئے ہوئے مکے سے باہر دامن کوہ میں جا گزیں ہے۔ اہل قبیلہ نے مکمل طور سے معاشی مقاطعہ کر لیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے تلملا رہے ہیں۔ نہ کھانے کا سامان ہے۔ نہ پہننے کو لباس۔ چاروں طرف سے دشمن تاک لگائے بیٹھے ہیں خطرات کے جال قدم قدم پہ بچھے ہیں۔ لیکن ابوطالب کے ماتھے پہ بل نہیں۔ اس کی روشن پیشانی پہ شکن نہیں۔ وہ اپنی فقیری میں مست ہے۔ اور اپنی غریبی میں مگن۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی جھولی میں کائنات کی دولت سمٹ کر آ گئی ہے۔ وہ من ہی من میں یہ سوچ کر مگن ہے۔ کہ قریش تو کیا۔ ساری دنیا کا غم و غصہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ رحمۃ اللعالمین اس کی آغوش میں ہے۔ اس کے سر میں صرف ایک سودا ہے اور صرف ایک۔ یعنی یہ کہ محمد کا بال بیکا نہ ہو۔ وہ راتوں رات جاگتا ہے۔ اور شیر گرسنہ کی طرح ٹہلتا ہے۔ صرف اتنے کیلئے کہ کہیں کوئی بدخواہ اس کے سرمایہ حیات محمد مصطفےؐ کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ وہ ہتھیلی پہ سر لئے ہوئے شمع رسالت کے گرد پروانہ وار بکھر رہا ہے۔ اس کی نگاہ ہر لحظہ محمدؐ کے چشم و ابرو پہ ہے۔ وہ اپنے خون کو پانی کی طرح بہا سکتا۔ لیکن محمدؐ کی جبین پہ بل نہیں دیکھ سکتا۔ وہ رات گئے محمدؐ کو ان کی خوابگاہ سے اٹھاتا ہے۔ اور اس کی جگہ اپنے ہونہار نور نظر علیؑ کو سلا دیتا ہے

صرف اس لئے کہ بنصیب دشمناں اگر کوئی اچانک حملہ ہو تو محمدؐ کی بجائے اس کا فرزند کام آجائے۔ وہ علیؑ و عقیلؑ کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھ سکتا ہے لیکن محمدؐ کا رُماں میلا ہونا بھی اسے گوارا نہیں وہ اپنے دلی جذبات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر قریشی جمعیت کو کھلا چیلنج دیتا ہے۔ کہ جاہلو، نادانو، تمہارا جو جی چاہے کرو۔ ہم خدا کے آخری نبیؐ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اور کائنات کی سب سے بڑی دولت کو ہم اپنے ہاتھوں سے ضائع نہیں کر سکتے، ذیل کے اشعار حضرت ابو طالبؑ کے جوشِ ایمان اور جذبہ عشق رسولؐ کے کھلے ہوئے گواہ ہیں۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ کیجئے سیرۃ ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۲ مطبوعہ مصر)

قصیدہ (۲)

۱۔ اَلَا اَبْلِغَا عَنِّي عَلٰى ذَاتِ بَيْنِنَا + لُؤَيًّا وَخُصًّا مِنْ لُؤَيِّ بْنِ كَعْبٍ

(ترجمہ) ہاں اے میرے دونوں ساتھیو، تم یہ پیغام باوجود ان حالات کے جو ہمارے درمیان پیدا ہو چکے ہیں۔ میری طرف سے قبیلہ لوئی بن کعب کے لوئی اور خص خاندانوں کو پہنچا دو،

۲۔ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا + نَبِيًّا كَمُوْسٰى خُطَّ فِي اَوَّلِ الْكُتُبِ

(ترجمہ) وہ پیغام یہ ہے کہ، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کو اسی طرح کا نبی پایا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کہ ان کا ذکر کتب سابقہ میں بھی کیا گیا ہے

تبصرہ۔ خدارا انصاف سے بتائیے جو شخص علی الاعلان یہ کہے کہ ہم نے محمد مصطفےؐ کو حضرت موسیٰؑ کی طرح پیغمبرِ خدا پایا۔ اور ان کا ذکر کتب سابقہ میں ہونا یقین کیا۔ اُسے کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ نبوت محمد مصطفےؐ

قائل نہ تھا۔ یا ایمان و اسلام سے بیگانہ تھا۔

۳۔ وَاَنَّ عَلَیۡہِ فِی الۡعِبَادِ مُحَبَّۃً + وَلَا خَیۡرَ مِمَّنۡ خَصَّہُ اللّٰہُ بِالۡحُبِّ

ترجمہ) اور (کیا تمہیں نہیں معلوم کہ) ان کی محبت بندگانِ الٰہی کے دِل میں دخود بخود) ہوتی ہے۔ اور (یاد رکھو) ایسے شخص کو چھوڑ کر خیر نہیں۔ جسے اللہ نے محبت خلق دیا اپنی محبت) کیلئے مخصوص کیا ہو۔

تبصرہ۔ مسلمانو! غور تو کرو۔ کیا یہ الفاظ کسی کافر کے منہ سے نکل سکتے ہیں؟ کیا یہ کھلا ہوا اعلانِ حق نہیں ہے؟

۴۔ وَاَنَّ الَّذِیۡ اَلۡصَقۡتُمۡ مِنۡ کِتَابِکُمۡ + لَکُمۡ کَائِنٌ نَحۡسًا کَرَاغِیَۃِ السَّقۡبِ

(ترجمہ) اور (ستو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ) وہ عہد نامہ جو تم نے (ہمارے خلاف لکھ کر) لٹکایا ہے۔ وہ تمہارے لئے اسی طرح منحوس ثابت ہوگا جس طرح بچہ دینے والی اونٹنی (یعنی ناقہ صالحؑ جس کو پے کرنے سے قوم حضرت صالحؑ پر عذاب نازل ہوا تھا)

۵۔ اَفِیۡقُوۡا اَفِیۡقُوۡا قَبۡلَ اَنۡ یُحۡفَرَ الثَّرٰی + وَیُصۡبِحَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡنِ ذَنۡبًا کَذِی الذَّنۡبِ

ترجمہ۔ ہوش میں آجاؤ ہوش میں آجاؤ قبل اس کے کہ قبریں کھودی جائیں اور جس نے کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ وہ بھی مثل قصوروار کے ہو جائے۔ (یعنی جنگ کی آندھی نیک و بد سب کو اپنی لپیٹ میں لے کر یکساں طور پر مصیبتوں کا شکار بنا دے)

۶۔ وَلَا تَتۡبَعُوۡا اَمۡرَ الۡوُشَاۃِ وَتَقۡطَعُوۡا + اَوَاصِرَنَا بَعۡدَ الۡمَوَدَّۃِ وَالۡقُرۡبِ

(ترجمہ) اور (دیکھو) چغلخوروں کا کہنا نہ مانو اور ہمارے (قدیم) عہد و پیمان

کو محبت کے بعد نہ توڑو۔

۷ وَ تَسْتَجْلِبُوْا حَرْبًا عَوَانًا دُرُوْبُنَا + اَمَرَّ عَلٰی مَنْ ذَاقَہَا حَلَبُ الْحَرْبِ

(ترجمہ) اور دیکھو، ایک طویل و دیرپا جنگ کو نہ بلاؤ۔ کیونکہ جنگ کا اثر اس کے چکھنے والوں کے لیے کڑوا ہی ہونا ہے۔

۸ فَلَسْنَا وَ رَبِّ الْبَیْتِ نُسْلِمُ اَحْمَدًا + لِعَزَّاءٍ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَ لَا کُرَبٍ

(ترجمہ) اس لیے کہ رب کعبہ کی قسم ہم احمد (مجتبیٰ) کو زمانے کی دست درازی سے لائے ہوئے سخت ترین سال یا کسی اور مصیبت و تکلیف کی وجہ سے بھی نہیں چھوڑ سکتے۔

۹ وَ لَمَّا تَبِنْ مِنَّا وَ مِنْکُمْ سَوَالِفُ + وَ اَیْدٍ اُتِرَّتْ بِالْقُسَاسِیَّۃِ الشُّہُبِ

(ترجمہ) اور (یاد رکھو) ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم محمد مصطفیٰ کو چھوڑ دیں) جب تک کہ ہمارے اور تمہارے گذشتہ کارنامے میدان جنگ میں کھل نہ جائیں، اور ہمارے ہاتھ قسّاسی چمکتی ہوئی تلواروں سے اثر انداز نہ ہو لیں۔

۱۰ بِمُعْتَرَکٍ ضَیْقٍ تَرَی کُسَرَ الْقَنَا + بِہٖ وَ النُّسُوْرَ الطُّخْمَ یَعْکُفْنَ کَالشَّرْبِ

(ترجمہ) ایسے تنگ میدان جنگ میں جہاں تم نیزوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھو گے۔ اور وہاں (لاشوں کے گرد) کالے کالے گدھ یوں گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوں گے۔ جیسے شراب پینے والے (حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں)

۱۱ کَاَنَّ صَہَالَ الْخَیْلِ فِیْ حَجَرَاتِہٖ + وَ مَعْمَعَۃَ الْاَبْطَالِ مَعْرَکَۃُ الْحَرْبِ

(ترجمہ) گویا اس میدان کے میمنہ و میسرہ میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہادروں کی چیخ پکار سے ایک عظیم معرکہ جنگ ہو گا۔

۱۲۔ اَلَیْسَ اَبُوْنَا ھَاشِمٌ شَدَّ اَزْرَہٗ + وَاَوْصٰی بَنِیْہِ بِالطِّعَانِ وَبِالضَّرْبِ

(ترجمہ) کیا ہمارے باپ وہی حضرت ہاشم نہیں ہیں۔ جنہوں نے اپنی کمر (ہمت) چست باندھی تھی۔ اور جنہوں نے اپنے فرزندوں کو نیزہ بازی و شمشیر زنی کی وصیت کی تھی۔

۱۳۔ وَلَسْنَا نَمَلُّ الْحَرْبَ حَتّٰی تَمَلَّنَا + وَلَا نَشْتَکِیْ مَا قَدْ یَنُوْبُ مِنَ النَّکْبِ

(ترجمہ) اور ہم تو جنگ سے تھکتے ہی نہیں جب تک کہ جنگ ہم سے خود نہ تھک جائے اور نہ ان مصیبتوں کی شکایت کرتے ہیں جو ہم پر نازل ہوتی ہیں۔

۱۴۔ وَلٰکِنَّنَا اَھْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّھٰی + اِذَا طَارَ اَرْوَاحُ الْکُمَاۃِ مِنَ الرُّعْبِ

(ترجمہ) لیکن ہم اپنے اہل کی حفاظت و حمایت کرنے والے اور ایسے وقت میں عقل و ہوش برقرار رکھنے والے ہیں۔ جبکہ رعبِ جنگ کی وجہ سے مکمل زرہ پوش جوانوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

قصیدہ پنجم

ملکِ حبش کی طرف ہجرت کرنے والے اصحاب کو یہ غلط خبر کسی طور سے پہنچی۔ کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ سن کر ان میں سے کچھ لوگ مکے کی طرف واپس ہوئے۔ مگر شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی حقیقت حال معلوم ہو گئی۔ لہٰذا صرف وہی حضرات داخلِ شہر ہو سکے، جو کسی کی پناہ میں تھے۔ یا روپوش ہو سکتے تھے۔ واپس آنے والوں میں ایک بزرگ حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد بھی تھے۔ جو جناب ابو طالبؑ کی پناہ میں آ گئے تھے۔ مورخ ابن ہشام انہیں ابو سلمہؓ کے پر پوتے

سلمہ بن عبد اللہ سے روایت کرتا ہے کہ جب ابو سلمہؓ حضرت ابو طالبؑ کی پناہ میں آ گئے تو بنی مخزوم کے چند معزز افراد حضرت ابو طالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ "آپ نے اپنے بھتیجے کو تو بچا ہی لیا ہے۔ اب کیا آپ ہمارے خاندان والوں کو بھی ہم سے الگ کر کے اپنی پناہ میں رکھیں گے؟"

حضرت ابو طالبؑ نے جواب دیا کہ "ابو سلمہؓ میری پناہ میں اس لیئے آیا ہے۔ کہ وہ میرا بھانجہ ہوتا ہے۔ اور اگر میں اپنے بھتیجے کو بچاتا ہوں تو بھانجے کو بھی بچانا ہی چاہیئے"۔ جس وقت حضرت ابو طالب اور بنی مخزوم کے لوگوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اس وقت ابو لہب بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے جو مخزومیوں کی شرارت دیکھی تو خاندانی حمیت کے جوش میں کہنے لگا۔ "جماعت قریش! تم لوگوں نے اس بوڑھے (حضرت ابو طالبؑ) پر بڑی زیادتی کی ہے تم بار بار اس کے پناہ دیئے ہوئے لوگوں پر حملہ کرتے ہو۔ اگر اب تم باز نہ آئے تو ہم اسکے ساتھ ہو جائیں گے۔ تاکہ جو یہ چاہتا ہے وہ کرے" بنی مخزوم ابو لہب کی یہ گفتگو سن کر واپس ہو گئے۔ اور اس سے کہتے گئے۔ "ہم ایسا کام ہرگز نہ کریں گے۔ جو تمہیں برا معلوم ہو"۔ ادھر حضرت ابو طالبؑ نے جو ابو لہب کا یہ رنگ دیکھا۔ تو انہیں خیال پیدا ہوا۔ کہ شاید اس کا دل کچھ نرم اور دماغ کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ لہٰذا ذیل کے اشعار آپ نے ابو لہب کو مخاطب کرتے ہوئے انشا فرمائے جن میں آپ اس کو نصرت رسولؐ پر بڑے نفسیاتی طریقے سے آمادہ کرتے ہیں:-

(حوالے کیلئے ملاحظہ کیجئے سیرت ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۲)

قصیدہ (۵)

۱۔ اِنِ امرؤ اَمْرًا ابو عتیبۃَ عمّہٗ + لَفِی رَوضۃٍ مَا اَنْ یُسَامَ الْمَظَالِمَا۔

(ترجمہ) اگر کسی شخص کا ابو عتیبہ (یعنی ابولہب) جیسا چچا ہو تو وہ محفوظ جائے پناہ میں ہو گا، نہ یہ کہ وہ لوگوں کے مظالم جھیلے۔

۲۔ اَقُولُ لَہٗ وَاَیْنَ مِنْہُ نَصِیْحَتِیْ + اَبَا مُعْتِبٍ ثَبِّتْ سَوَادَکَ قَائِمًا

ترجمہ۔ مَیں ابولہب سے کہتا ہوں۔ اگرچہ اس پر میری نصیحت کا اثر ہی کیا؟ کہ اے ابولہب اپنے دل کو درستی سے مضبوط کر۔

۳۔ فَلَا تَقْبَلَنَّ الدَّھْرَ مَاعِشْتَ خُطَّۃً + تُسَبُّ بِھَا اِمَّا ھَبَطْتَ الْمَوَاسِمَا

ترجمہ۔ پس جب تک تو زندہ رہے کبھی بھی، ہرگز ایسی خصلت کو قبول نہ کر جس کی وجہ سے تجھے گالیاں دی جائیں۔ اگر تو عرب کے موسمی میلوں میں نازل ہو۔

۴۔ وَوَلِّ سَبِیْلَ الْعَجْزِ غَیْرَکَ مِنْھُمُ + فَاِنَّکَ لَمْ تُخْلَقْ عَلَی الْعَجْزِ لَازِمًا

ترجمہ۔ اور عاجزی کا راستہ اپنے سوا ان میں سے کسی دوسرے کے سپرد کر دے کیونکہ ایک تو ہی عاجزی کے لئے تھوڑے ہی لازمی طور سے پیدا کیا گیا ہے

۵۔ وَحَارِبْ فَاِنَّ الْحَرْبَ نِصْفٌ وَلَنْ تَرَیٰ + اَخَا الْحَرْبِ یُعْطِی الْخَسْفَ حَتّٰی یُسَالِمَا

ترجمہ۔ اور جنگ کر، کیونکہ (ایسے) لوگوں سے جنگ کرنا ہی انصاف ہے۔ اور جنگجو کو تو کبھی نہ دیکھے گا کہ وہ ذلیل کیا جاتا ہو۔ مگر اس وقت جبکہ وہ مجبور ہو کر صلح کرلے

۶۔ وَکَیْفَ وَلَمْ یَجْنُوا عَلَیْکَ عَظِیْمَۃً + وَلَمْ یَخْذُلُوکَ غَانِمًا اَوْ مُغَارِمَا

ترجمہ۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے (یعنی وہ لوگ تجھ کو ذلیل کرکے کسی امر کیلئے مجبور

ابوطالب کا ابولہب کی طرف اشارہ ہے۔

کیسے مجبور کر سکتے ہیں) حالانکہ نہ انہوں نے تیرے خلاف کوئی بڑا جرم کیا ہے اور نہ تجھے اس حالت میں چھوڑا ہے کہ تو لوٹنے والا یا قرض خواہ ہو (مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے تجھ پر کوئی زبردستی کی ہے۔ اور نہ تو نے ان پر کوئی ظلم کیا ہے اور نہ ہی تیرا ان سے کوئی لین دین ہے۔ لہذا تو خود مختار ہے اگر چاہے تو راہ راست پر آسکتا ہے۔ واللہ اعلم

۷ جزی اللہ عنا عبد شمس ونوفلا + وتیما ومخزوما عقوقا ومأثما

ترجمہ۔ خداوند عالم ہماری جانب سے عبدشمس، نوفل، تیم اور مخزوم کے قبیلوں کو ان کی سرکشی و بدکاری کا بدترین بدلہ دے۔

۸ بتفریقہم من بعد ود و الفۃ + جماعتنا کیما ینال المحارم

ترجمہ۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے محارم کی توہین کرنے کیلئے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا۔ بعد اس کے کہ ہم لوگ محبت و الفت سے رہا کرتے تھے۔

۹ کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدا + ولما تروا یوما لدی الشعب قائما

ترجمہ۔ خانہ خدا کی قسم تم لوگوں نے جھوٹ کہا کہ "ہم محمدؐ کو (بنی ہاشم سے) چھین لیں گے" ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب تک تم اس گھاٹی کے پاس ایک سخت لڑائی کو کھڑی نہ دیکھو۔

قریش کا عہدنامہ تین سال کے بعد کچھ لوگوں کی کوشش سے ٹوٹ گیا۔ اور حضرت ابوطالبؑ کو مع اپنے خاندان کے گھاٹی سے باہر نکل کر شہر میں رہنے کا موقع مل سکا۔ حضرت ابوطالبؑ نے اس موقع پر بھی ایک شاندار قصیدہ لکھا ہے۔

جیسے مورخ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ میں نقل کیا ہے۔ آپ نے اس قصیدہ میں ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جنہوں نے اس منحوس عہد نامے کو ختم کرنے میں سعی کی تھی۔ چونکہ وہ قصیدہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لہٰذا ہم اُسے ترک کرتے ہیں۔

تین شعر

مورخ ابو الفداء اپنی تاریخ میں رقمطراز ہے کہ "وہ اشعار جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابو طالبؑ نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت فرمائی تھی۔ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وَدَعَوْتَنِی وَعَلِمْتُ اَنَّکَ صَادِقٌ - وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَکُنْتَ ثَمَّ اَمِیْنَا

(ترجمہ) اور (اے محمدؐ) تم نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ تو میں نے جانا۔ کہ تم سچے ہو اور بے شک تم تو صادق و امین پہلے ہی سے ہو۔

۲۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ + مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا

(ترجمہ) اور یقیناً میں نے یہ بھی جان لیا ہے۔ کہ دین محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے۔

تبصرہ:۔ اس شعر میں حضرت ابو طالب رضوان اللہ علیہ نے جس صاف گوئی اور وضاحت سے اپنے اعتقاد کو ظاہر فرمایا ہے۔ اس کے بعد کسی صاحب عقل و فہم کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ کہ وہ آپ کے مذہب میں شک و شبہ کر سکے۔ بھلا بتایئے۔ جو دین محمدؐ کو دنیا کا سب سے بہتر دین سمجھتا ہو۔ جو بہ بانگ دہل آنحضرتؐ کے دعویٔ رسالت میں سچے ہونے کا اعلان کرتا ہو

اور جو رسول و متبعین رسول کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا رہا ہو۔ تم اسے

کس زبان سے آپ کافر کہیں گے۔

۳ وَاللہِ لَمْ یَصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنًا،

(ترجمہ) پس (اے محمدؐ) خدا کی قسم یہ لوگ (یعنی کفار) تم تک اپنے جتھوں کے باوجود

بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔

تبصرہ۔ کیا کہنا تیرا اے علیؑ جیسے بہادر بیٹے کے سورما باپ، تو نے جو کہا

تھا۔ وہی کیا۔ تیرے جیتے جی کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ وہ محمدؐ مصطفےٰ کو تیز نگاہ

سے دیکھ بھی سکتا۔ البتہ تیرے اُٹھ جانے کے بعد دشمنان اسلام نے وہ

کیا جو کیا۔

باب سوم

تاریخی و علمی شواہد

(۱) علامہ علی ابن برہان الدین شافعی نے انسان العیون میں یہ روائت

نقل کی ہے "عَنْ مُقَاتِلٍ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ قَالَ عِنْدَ مَوْتِہٖ یَا مَعْشَرَ

بَنِیْ ھَاشِمٍ اَطِیْعُوْا مُحَمَّدًا وَصَدِّقُوْہُ تَرْشُدُوْا"

(ترجمہ) مقاتل سے روائت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے اپنی موت کے وقت

لے ذیل کے تمام اقتباسات کتاب ارجح المطالب مصنفہ عبید اللہ امرتسری

میں دیکھے جا سکتے ہیں،

فرمایا۔ "اے گروہ بنی ہاشم محمدؐ کی اطاعت کرو۔ اور ان کی تصدیق کرو۔ تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

تبصرہ۔ ظاہر ہے کہ ایسی وصیت ایک مومن کامل ہی کر سکتا ہے۔ دوسرا نہیں۔

(۲) ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ وغیرہم اپنی کتابوں میں روایت کرتے ہیں عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا مَاتَ اَبُوْ طَالِبٍ۔ اَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِمَوْتِهٖ۔ فَبَكٰى وَقَالَ اِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ وَكَفِّنْهُ وَوَارِهٖ غَفَرَ اللهُ لَهٗ وَرَحِمَهٗ"

(ترجمہ) حضرت علی سے روایت ہے۔ کہ جب حضرت ابوطالبؑ نے انتقال فرمایا۔ تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وفات کی خبر سنائی پس آپ رو نے لگے اور فرمایا کہ جاؤ۔ ان کو غسل دو۔ کفن پہناؤ۔ اور دفن کر دو۔ خدا انہیں بخشے اور ان پر رحم فرمائے۔

تبصرہ! اگر حضرت ابوطالبؑ (معاذ اللہ) مشرک ہوتے تو ترجمان وحی صاحب لا ینطق عن الھوی اپنی زبان مبارک سے ایک بے معنی سی دعا کیوں مانگتے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ خدا کا حبیب اپنے ٹوٹے ہوئے دل بھیگی ہوئی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز سے کسی کے لئے دعائے مغفرت کرے اور رحمت خدا کو جوش نہ آئے۔

مسلمانو! ہمارا رسول رحمۃ للعالمین تھا۔ اس کا کسی پہ رحم کھانا بعینہ رحمت الٰہی کا جوش میں آنا ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے انداز مخصوص میں ارحم الراحمین سے

سے طلب رحم بھی کرتے ہیں۔

(۳) ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درِ منثور میں بسلسلہ تفسیر سورہ ابی لہب یہ روایت تحریر کی ہے۔ "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اِلٰی اَرْبَعِ عُمُوْمَتِیْ۔ اَمَّا الْعَبَّاسُ فَیُکَنّٰی بِاَبِی الْفَضْلِ فَلَہٗ وَلِوُلْدِہٖ الْفَضْلُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاَمَّا حَمْزَۃُ فَیُکَنّٰی بِاَبِی الْعَلَا۔ فَاَعْلَی اللّٰہُ تَعَالٰی قَدْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَمَّا عَبْدُ الْعُزّٰی فَیُکَنّٰی بِاَبِی لَہَبٍ فَاَدْخَلَہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ وَاللَّھَبُ عَلَیْہِ وَاَمَّا عَبْدُ مَنَافٍ فَیُکَنّٰی بِاَبِیْ طَالِبٍ فَلَہٗ وَلِوُلْدِہٖ الْمَطَاوَلَۃُ وَالرِّفْعَۃُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

(ترجمہ) ابو سعید خدری نے بیان کیا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے چار چچاؤں کے سامنے مبعوث برسالت ہوا۔ ایک عباس جن کی کنیت ابو الفضل تھی۔ تو ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے تا قیامت فضل ہے۔ اور دوسرے حمزہؑ جن کی کنیت ابو العلا تھی۔ تو اللہ ان کی قدر بلند کرے۔ دنیا و آخرت میں۔ اور تیسرے عبد العزیٰ جن کی کنیت ابو لہب تھی۔ تو خدا اُسے آگ میں ڈالے اور اس کے شعلے اس پر بھڑکائے۔ اور چوتھے عبد مناف جن کی کنیت ابو طالبؑ تھی۔ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے رفعت و بلندی ہے تا قیام قیامت تک"

(۴) علامہ سبط ابن جوزی اپنے تذکرہ خواص الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قَالَ الْوَاقِدِیُّ عَنْ عَلِیٍّ لَمَّا تُوُفِّیَ اَبُوْ طَالِبٍ اَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَى بُكَاءً شَدِيدًا. ثُمَّ قَالَ "اِذْهَبْ فَاغْسِلْهُ وَكَفِّنْهُ وَغَفَرَ
اللّٰهُ لَهُ. فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَرْجُوْا لَهُ" فَقَالَ "اِيْ وَاللّٰهِ
اِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ" وَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ اَيَّامًا. وَلَا يَخْرُجُ. وَ
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَارَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ —
وَصَلْتُكَ رَحِمًا فَجَزَاكَ اللّٰهُ يَا عَمِّ خَيْرًا.

ترجمہ - واقدی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوطالبؓ
نے انتقال فرمایا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دی۔
پس آپ بہت روئے۔ پھر کچھ دیر بعد فرمایا۔ کہ جاؤ انہیں غسل دو۔ اور
کفن دو۔ خدا انہیں بخشے۔ پس حضرت عباسؓ نے عرض کی۔ اے خدا کے
رسول کیا آپ ان کی مغفرت کی امید رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "ہاں
ہاں! خدا کی قسم میں ضرور امید رکھتا ہوں" پھر رسول اللہ حضرت ابوطالبؓ
کے لیے چند دن تک دعائے مغفرت کرتے رہے۔ اور گھر سے نکلنا بند کر دیا
ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے حضرت ابوطالب کے جنازے کے بارے
میں دوسروں سے معارضہ کیا (اور پھر خود اپنی نگرانی میں میت کو لے کر فرمایا)
اے چچا! میں نے آپ کے ساتھ صلۂ رحم کا برتاؤ کیا۔ پس اے چچا خدا آپ
کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

(۵) علامہ علی ابن برہان الدین شافعی اپنی کتاب السان العیون میں تحریر فرماتے
ہیں: "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا تَقَارَبَ مِنْ اَبِيْ طَالِبِ الْمَوْتُ نَظَرَ الْعَبَّاسُ
اِلَيْهِ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَاَصْغٰى اِلَيْهِ فَقَالَ يَا ابْنَ اَخِيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ

قَالَ اَخِي الكَلِمَةَ الَّتِي اَمَرْتَهُ بِهَا.

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابو طالبؑ سے موت قریب
ہوئی تو عباسؓ نے انہیں دیکھا۔ کہ وہ اپنے دونوں ہونٹ ہلا رہے ہیں
پس عباس نے ان کی طرف کان لگایا۔ اور رسول اللہ سے عرض کی "خدا کی قسم
اے بھتیجے میرے بھائی نے وہی کلمہ کہا جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا"

(۶) عالم جلیل القدر شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں
ارشاد فرماتے ہیں "در روایت ابن اسحٰق آمدہ کہ وے یعنی حضرت ابو طالب
اسلام آوردہ بہ نزدیک موت۔ و ابن عباس گفتہ کہ چوں قریب شد موت ابو طالب
نظر کرد عباس بسوئے وے۔ و دید کہ می جنباند لب ہائے خود را
پس گوش نہاد بسوئے او۔ پس گفت آں حضرت را یا ابن اخی واللہ بتحقیق
گفت برادر من کلمہ را کہ امر کردی، تو اورا بداں کلمہ"

(ترجمہ) ابن اسحٰق کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ اپنی موت
کے قریب ایمان لے آئے۔ اور ابن عباس نے کہا ہے۔ کہ جب ابو طالبؑ سے
موت قریب ہوئی۔ تو عباس نے ان کی طرف دیکھا۔ کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش
دیتے ہیں۔ پس عباس نے ان کی طرف کان لگائے۔ پھر رسول اللہ سے کہا۔
"اے بھتیجے خدا کی قسم بے شک میرے بھائی نے وہی کلمہ کہا جس کا آپ
نے انہیں حکم فرمایا تھا"

(۷) علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ میں نقل فرماتے ہیں۔ "عَنْ اَبِي رَافِع۔
قَالَ سَمِعْتُ اَبَا طَالِب يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ اَخِي مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰه

يَقُولُ اِنَّ رَبَّهُ بَعَثَهُ بِصِلَةِ الْاَرْحَامِ وَاَنْ يَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا يَعْبُدُ مَعَهُ غَيْرَهُ وَمُحَمَّدٌ الصَّادِقُ الْاَمِيْنُ"

ترجمہ:- ابو رافع سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو طالبؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں نے اپنے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ سے یہ سنا ہے۔ کہ خدا نے ان کو صلۂ رحم کیلئے اور اس امر کے لئے مبعوث برسالت کیا ہے۔ کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور محمدؐ بڑے سچے اور امانتدار ہیں"۔

(۸) علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ میں حضرت ابو طالبؑ کے متعلق صاف اقرار کرتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے۔ اور ان کے اسلام پر ان کے اشعار مندرجہ ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔ ؎

وَدَعَوْتَنِيْ وَعَلِمْتُ اَنَّكَ صَادِقٌ ؛ وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ قَبْلُ اَمِيْنًا

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ ؛ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

(نوٹ) ان اشعار کا ترجمہ صفحات ماقبل میں گذر چکا۔ علامہ ابو الفداء کی رائے بھی اسی سلسلے میں نقل کی جا چکی ہے۔

(۹) ثقۃ الحفاظ ابو الکرام عبدالسلام بن محمد بن حسن تحریر فرماتے ہیں۔ "اِتَّفَقَ اَئِمَّةُ اَهْلِ الْبَيْتِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ مَاتَ مُسْلِمًا وَخِلَافُ اَهْلِ الْبَيْتِ فِي الْاِسْلَامِ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ" یعنی آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ مسلمان ہو کر مرے، اور اہل بیت کی صحیح مخالفت اسلام میں غیر معتبر ہے۔ (لہذا اس کے برخلاف روایتیں موضوعہ اور غیر معتبرہ ہیں)

(۱۰) ابن عساکر کی تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جناب رسالتمآب حضرت ابوطالبؑ کے جنازے کیلئے اپنے اعمام سے معترض بھی ہوئے چنانچہ ملاحظہ ہو: "عَنْ أَبِي عَاصِمٍ الْهَوْزَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُعَارِضًا جَنَازَةَ أَبِي طَالِبٍ وَهُوَ يَقُولُ يَا عَمِّ وَصَلَتْكَ رَحِمٌ" یعنی ابوعامر ہوزنی سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کے جنازے کے بارے میں معارضہ کرتے ہوئے نکلے اور آپ یہ فرماتے جاتے تھے۔ کہ "اے چچا میں نے آپ سے صلۂ رحم کا حق پورا کر دیا" (اس کی مؤید روایت تذکرۃ سبط ابن جوزی سے گذشتہ صفحات میں نقل کی جا چکی ہے)

راویوں کی ستم ظریفی

میں مقدمے میں عرض کر چکا۔ کہ متعصب راویوں نے واقعات کو یوں اُلٹ پلٹ کر بیان کیا ہے۔ کہ ان کے تعصب کی رَو میں حقیقت کا بیڑا غرق ہو کے رہ گیا۔ لیکن پھر بھی بمصداق "دروغگو را حافظہ نباشد" بیانات کچھ ایسے متضاد ہو گئے ہیں۔ کہ ایک صاحب فہم و نظر ذرا سے تامّل میں پہچان لیتا ہے۔ کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ مثال کے طور پر اس روایت کو لے لیجئے جسے علامہ ابن ہشامؒ جیسے جلیل القدر مؤرخ نے اپنی کتاب سیرۃ رسول اللہ میں بسلسلہ وفات حضرت ابوطالب درج فرمایا ہے۔ میں اس مقام پر اصل روایت کا ترجمہ پیش کر کے ایک تبصرہ قلمبند کرتا ہوں۔ جس سے خود اس روایت کی اور ویسی تمام دوسری روایتوں کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ روایت حسب ذیل ہے:۔

"ابنِ اسحٰق نے کہا۔ کہ مجھ سے عباس بن عبداللہ ابن معبد نے بیان کیا۔ اور اُس سے اس کے گھر کے کسی شخص نے بیان کیا۔ اور اس شخص نے ابن عباس سے روایت کی۔ کہ جب حضرتِ ابوطالبؑ بیمار ہوئے تو قریش کے لوگ جن میں ابوسفیان۔ ابوجہل اور عتبہ و شیبہ وغیرہ شامل تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ اے ابوطالب! آپ کو معلوم ہے۔ کہ آپ ہماری نگاہ میں کس درجہ عُلیا پہ فائز ہیں لیکن اب ہمیں آپ کی موت کا خوف ہے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ آپ کے بھتیجے (محمدؐ) اور ہمارے درمیان کیا اختلافات ہیں۔ لہٰذا آپ انہیں بلائیں اور ہم دونوں فریقوں سے ایسے وعدے کرالیں کہ نہ ہم ان کو ستائیں، اور نہ وہ ہمیں ستائیں" حضرتِ ابوطالبؑ نے رسول اللہ کو بلوایا۔ اور فرمایا "جانِ عم! یہ تمہاری قوم کے شرفاء تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں۔ کہ تم سے کچھ باتیں طے کرلیں" رسول اللہ نے فرمایا۔ "اچھا چچا! یہ لوگ ہماری بس ایک بات مان لیں۔ تو یہ سارے عرب کے مالک ہو جائیں اور عجم بھی ان کے دین پہ ہو جائیں" ابوجہل نے جھٹ کہا "ہاں تمہارے باپ کی قسم ہم ایسی ایسی دس باتیں مان لیں گے" آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ تو بس اتنا کہہ لو "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور اپنے باطل خداؤں کی پرستش چھوڑ دو۔ یہ سننا تھا۔ کہ تمام کافر بلبلا گئے، اور اپنے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر کہنے لگے "اے محمدؐ! تم تو چاہتے ہو۔ کہ ہم تمام خداؤں کو ایک ہی خدا کہہ دیں۔ تمہاری بات عجیب ہے"۔ پھر آپس میں کہنے لگے "یہ شخص ہماری کوئی بات نہ مانے گا۔ چلو ہم اپنے باپ دادا کے دین پہ رہیں۔ یہاں تک کہ جو ہونا ہے وہ ہو" اس کے بعد وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ جب وہ لوگ چلے

تو حضرت ابو طالبؑ نے رسول اللہ سے کہا "خدا کی قسم، اے جان عم! تم نے تو کوئی بے جا بات نہیں کہی" رسول اللہ نے جو یہ سنا تو آپ کو انہیں مسلمان بنانے کی خواہش ہوئی۔ اور فرمانے لگے، اے چچا آپ بھی یہ کلمہ پڑھ لیں تاکہ قیامت کے دن میرے لئے آپ کی شفاعت حلال ہو جائے" حضرت ابو طالبؑ نے رسول اللہ کی یہ خواہش دیکھی تو کہنے لگے، کہ "اے بیٹا! خدا کی قسم۔ اگر تم پر اور تمہارے بھائیوں پر میرے بعد گالی پڑنے کا خوف نہ ہوتا۔ اور یہ اندیشہ نہ ہوتا۔ کہ اہل قریش خیال کریں گے، کہ میں نے موت کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھ لیا۔ تو میں ضرور اسے پڑھ لیتا ہیں اس کلمے کو نہ پڑھوں گا۔ مگر صرف اس لئے کہ تمہیں اس سے خوش کر سکوں" بعد ازاں جب ابو طالب کی موت قریب ہوئی۔ تو عباس نے ان کی طرف دیکھا، کہ وہ اپنے دونوں ہونٹ ہلا رہے ہیں۔

پس انہوں نے کان لگا کر غور سے سنا اور (رسول اللہ سے) کہا کہ اے بھتیجے خدا کی قسم میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا جس کا آپ نے ان کو حکم دیا تھا" اس پر رسول اللہ نے فرمایا، کہ "میں نے نہیں سنا" (ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۰ بر حاشیہ زاد المعاد جلد اول مطبوعہ مصر)

تبصرہ

اوّل تو روایت میں عباس ابن عبد اللہ ابن معبد کے بعد راوی کا نام ہی نہیں ہے۔ خدا جانے اس کے گھر والوں میں سے کس نے اس سے یہ روایت بیان کی۔ لہٰذا روایت ناکارہ ہے۔ اور اتنے بڑے اہم واقعہ کی بنیا ایسی پھسپھسی روایت پر قائم کرنا کچھ مورخ ابن ہشام ہی کا حق ہے،

دُوسرے یہ کہ روایت میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ نے جب کفارِ قریش سے اقرارِ کلمۂ توحید کا ذکر فرمایا۔ اور ان لوگوں نے انکار کیا تو حضرت ابوطالبؑ نے رسول اللہ سے کہا "بیٹا! تم نے کوئی بے جا بات تو نہیں کہی" یہ جملہ حضرت ابوطالبؑ کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ اگر خود حضرت ابوطالبؑ خدائے واحد کو واحد نہ سمجھتے ہوتے۔ تو وہ بھی دوسرے قریشیوں کی طرح یہ کہتے کہ "واہ، تم تو تمام خداؤں کو ایک ہی کر دینا چاہتے ہو" یا کم از کم اگر مروت سے کام لیتے، تو خاموش ہی رہتے۔ لیکن آپ کا یہ کہنا کہ "تم نے کوئی بے جا بات نہیں کہی" اس امر کو واضح کرتا ہے۔ کہ آپ کلمۂ توحید کو حق اور بجا سمجھتے تھے رہا راوی کا یہ بیان کہ "رسول اللہ نے ابوطالبؑ سے یہ جملہ سن کر انہیں دعوت اسلام دینی شروع کی" تو یہ اس کا ایجاد کردہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوطالب کا جملہ اپنے مقام پہ خود ہی ایک مستقل اقرارِ توحید کے مترادف ہے لہٰذا اس کے بعد ذکرِ دعوتِ اسلام لغو ہے۔ جو غالباً راوی کے اعتقادِ فاسد کی پیداوار ہے۔

اس کے بعد تیسرا امر جو روایت کو صریحی طور پہ غلط ثابت کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے (باوجود اس کے کہ وہ کلمۂ توحید کو حق اور بجا سمجھتے تھے) صرف اس لئے اس کو زبان پہ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ وہ "اپنے بعد رسول اللہ اور ان کے چچازاد بھائیوں پہ گالی پڑنے کا خوف کرتے تھے۔ نیز ان کو یہ اندیشہ تھا کہ قریش کے لوگ یہ کہیں گے کہ ابوطالب نے موت کے ڈر سے کلمۂ توحید پڑھ لیا" اگر ہم اس بیان کو صحیح مان لیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اپنے

دل سے کلمہ توحید کو حق سمجھتے تھے۔ لیکن زبان پر جاری کرنے سے اوپر لکھے ہوئے اسباب کی بنا پر خوف کرتے تھے۔ حالانکہ ابوطالب جیسے مرد میدان کا اتنی سی بات سے دینی معاملے میں خوف کرنا۔ رسول اللہ دوران کے چچازاد بھائیوں کا ابوطالب کے بعد گالیاں کھانا۔ اور اس طرح کی دوسری باتیں فضول اور لغو محض ہیں کیونکہ جب ابوطالب نے ان چیزوں کی بلکہ ان سے بدرجہا بڑی بڑی چیزوں کی اپنی زندگی میں پرواہ کی کھلم کھلا رسول اللہ کی نصرت و حمایت کرتے رہے۔ اور ان کے دین کی مدح و ثنا میں آخر عمر تک رطب اللسان رہے۔ تو اب اس آخری وقت میں انہیں قریش کی گالیوں اور ان کے طعنوں کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ قریش کے طعنے اور ان کی گالیاں کوئی نئی چیزیں نہ تھیں۔ بلکہ وہ تو اسی دن سے شروع ہو گئی تھیں جس دن سے آنحضرتؐ نے اعلان نبوت کیا تھا۔

اب ذرا روایت میں آگے بڑھیئے۔ تو گذشتہ دو جملوں کے بعد ہی جو تیسرا جملہ حضرت ابوطالبؑ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ "میں اس کلمہ توحید کو نہ پڑھوں گا۔ مگر صرف تمہاری خوشی کے لیئے۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوطالبؑ کے نزدیک کلمۂ توحید کی کوئی حقیقت و اصلیت نہ تھی بلکہ اگر وہ اسے اپنی زبان پر جاری کرتے تو صرف رسول اللہ کی خوشنودی کے لئے مگر انہوں نے اتنا بھی نہ کیا۔ (حالانکہ رسول اللہ کی خوشنودی ان کو بہر حال منظور تھی جیسا کہ مشہور خاص و عام ہے)

اس سے آگے روایت یہ بتاتی ہے۔ کہ جب ابوطالبؑ کا وقت نزع قریب آیا تو انہوں نے خود ہی کلمہ توحید پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ ابن عبد المطلب

نے اپنے کان سے سُنا اور رسول اللہ سے قسم شرعی کھا کر بیان کیا، اگر یہ بیان درست ہے اور یقیناً درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابوطالب کے لبوں کی جنبش اور عباس ابن عبدالمطلب کی گواہی کو تمام مورخین نے لکھا ہے، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوطالبؑ پکے مسلمان تھے۔ اور ان کے دل میں حقانیت توحید و رسالت کا نقش اچھی طرح جم چکا تھا۔ مگر اس صورت میں ان کا گذشتہ انکار (جیسے روائت میں ذکر کیا گیا ہے) لغو محض ثابت ہوتا ہے)

طرفہ ستم یہ کہ راوی نے اس کے بعد یہ بھی کہا ہے۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ "میں نے نہیں سُنا" یعنی گویا رسول اللہ نے ابوطالبؑ کے اسلام کی تصدیق نہیں فرمائی (اگرچہ عباس ابن عبدالمطلب نے شرعی قسم کھا کر یقین دلایا تھا)

بہر حال اس روائت کے جتنے ٹکڑے ہیں وہ سب آپس میں ٹکرائے سے جاتے ہیں۔ اگر ایک جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور تھا۔ تو اس کے بعد ہی دوسرے جملے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ محض دنیا دار شخص تھے کہیں یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ قریش کے طعنوں سے خوفزدہ ہوکر مسلمان ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور کہیں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرتے دم انہوں نے کلمۂ توحید کے سوا کچھ کہا ہی نہیں پس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ چونکہ دوسرے معتبر راویوں نے حضرت ابوطالب کے اقرار کلمۂ توحید و تسلیم کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ متعدد عقلی و نقلی دلائل اس امر پر موجود ہیں۔ کہ وہ پکے موحّد اور سچے مسلمان تھے۔ لہٰذا وہ تمام باتیں جو آپ کے ایمان میں شک و شبہ پیدا کرنے والی ہیں محض راویوں کی من گھڑت اور ان کے تعصب کی کارفرمائی

سے معرض وجود میں آئی ہیں۔

باب چہارم

دلائلِ عقل و نقل

اس باب میں ہم ان روایاتِ معتبرہ و واقعاتِ مشہورہ سے استدلال پیش کریں گے جن سے حضرت ابوطالب رضوان اللہ علیہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت اور ان کے راسخ الایمان ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

دلیلِ اوّل۔ احادیث اتحادِ نور

علماءِ فریقین نے اپنی کتب معتبرہ میں باوثوق ذرائع سے اس قسم کی حدیثیں نقل فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ رسالتمآب اور حضرت علی ایک ہی نور سے پیدا کئے گئے۔ اور وہ نور حضرت آدم کی خلقت سے ہزارہا سال قبل پیدا ہو چکا تھا۔ پھر خدا نے اس نور کو پیشانیٔ آدمؑ میں جگہ دی۔ بعد ازاں اصلابِ طاہرہ و ارحامِ مطہرہ سے ہوتا ہوا وہ نور صلبِ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا۔ اس منزل میں اس کے دو حصے کر دیئے گئے ایک حصہ حضرت عبداللہؑ کے صلب میں آیا اور دوسرا حصہ حضرت ابوطالبؑ کے صلب میں ودیعت کیا گیا۔ حضرت عبداللہ کے صلب سے حضرت محمدؐ مصطفےٰ خاتم النبیین پیدا ہوئے اور حضرت ابوطالبؑ کے صلب سے امیر المومنین علی ابن ابی طالب پیدا ہوئے ان احادیث سے اتحادِ نورِ نبی و علیؑ کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبیؐ و علیؑ

کہ تمام آباؤ و اُمہات صاحبان ایمان ہی نہیں۔ بلکہ برگزیدہ و مقربانِ بارگاہِ الٰہی تھے۔ جنہیں پروردگار نے اپنے معزز ترین و محبوب ترین نور کا مرکز قرار دیا۔ چونکہ شیعوں کے نزدیک آباء و اُمہاتِ نبیؐ و علیؑ کا مومن و برگزیدہ باری ہونا اجماعاً ثابت ہے۔ لہٰذا ہم اس مقام پر بھی ان احادیث و اخبار سے قطع نظر کرتے ہیں جنہیں علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔ البتہ چونکہ حضرات اہلِ سنت کے نزدیک یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے کہ آباؤ و اُمہاتِ نبیؐ و علیؑ صاحبانِ ایمان تھے۔ لہٰذا ہم ذیل میں چند ان احادیث کو تحریر کرتے ہیں جنہیں علمائے اہلِ سنت نے اپنی کتابوں میں اتحادِ نورِ نبیؐ و علیؑ کے سلسلے میں نقل فرمایا ہے

(۱) ابوالفتح محمد بن علی بن ابراہیم نے کتاب خصائص علویہ میں روایت کی ہے،

سلمان قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یقول خُلِقْتُ اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُورٍ عَنْ یَمِینِ الْعَرْشِ نُسَبِّحُ اللّٰہَ وَ نُقَدِّسُہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّخْلُقَ آدَمَ بِاَرْبَعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ سَنَۃٍ. فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ آدَمَ نَقَلَنَا اِلٰی اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرْحَامِ النِّسَاءِ الطَّاہِرَاتِ ثُمَّ نَقَلَنَا اِلٰی صُلْبِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَ قَسَّمَنَا نِصْفَیْنِ فَجَعَلَ النِّصْفَ فِیْ صُلْبِ عَبْدِاللّٰہِ وَ جَعَلَ النِّصْفَ فِیْ صُلْبِ اَبِیْ طَالِبٍ فَخُلِقْتُ مِنْ ذٰلِکَ النِّصْفِ وَ خُلِقَ عَلِیٌّ مِنَ النِّصْفِ الْاٰخَرِ. انتہی الی موضع الحاجۃ"

(ترجمہ) حضرت سلمانؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "مجھ کو اور علی کو عرش کے داہنی طرف ایک نور سے پیدا

کیا گیا۔ ہم لوگ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے، حضرت آدمؑ کی خلقت سے چار ہزار سال قبل، پھر جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اس وقت ہم پاک مردوں کے اصلاب اور پاک عورتوں کے ارحام میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ صلب عبد المطلب تک پہنچے، اور ہمیں دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا پس ایک حصے کو عبد اللہ کے صلب میں رکھا گیا اور دوسرے حصے کو ابو طالبؑ کے صلب میں پس عبد اللہ سے میں پیدا ہوا اور ابو طالبؓ سے علیؑ (انتہی بقدر ضرورت)

(۲) ابن السبوع اندلسی نے اپنی کتاب الشفاء میں اور صالحانی و کلاعی و سید محمد جعفر مکی و ابراہیم وصابی نے ذیل کی حدیث نقل فرمائی ہے "عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّخْلُقَ اَبُوْنَا اٰدَمُ بِاَلْفَیْ عَامٍ فَلَمَّا خَلَقَ اٰدَمُ صِرْنَا فِیْ صُلْبِہٖ ثُمَّ نُقِلْنَا مِنْ کِرَامِ الْاَصْلَابِ اِلٰی مُطَهَّرَاتِ الْاَرْحَامِ حَتّٰی صِرْنَا فِیْ صُلْبِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ثُمَّ انْقَسَمْنَا نِصْفَیْنِ فَصِرْتُ فِیْ صُلْبِ عَبْدِ اللّٰہِ وَصَارَ عَلِیٌّ فِیْ صُلْبِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاخْتَارَنِیْ بِالنُّبُوَّۃِ وَاخْتَارَ عَلِیًّا بِالشُّجَاعَۃِ وَالْعِلْمِ وَالْفَصَاحَۃِ (انتہی بقدر الحاجۃ)

(ترجمہ) حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ کہ "مجھکو اور علیؑ کو ایک نور سے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پیشتر، پھر جب حضرت آدم پیدا ہوئے۔ تو ہمیں ان کے صلب میں منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر ہم بزرگ اصلاب و مطہر ارحام میں ہوتے ہوئے صلب عبد المطلب تک آئے۔ اس کے بعد ہمیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ صلب عبد اللہ

(۱) ابتدا از باب سوم سے لیکر یہاں تک کے اکثر اقتباسات کتاب ارجح المطالب مصنفہ مولوی عبید اللہ امرتسری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

میں رکھا گیا۔ اور دوسرا حصہ صلب ابوطالبؑ میں ودیعت کیا گیا۔ خدا نے مجھ کو نبوت کے لیے چنا اور علیؑ کو شجاعت وعلم و فصاحت کیلئے۔ (انتہا بقدر حاجت)

(۳) ابوحاتم نے اور ابومحمد احمد بن علی العاصمی نے کتاب زین الفتی فی شرح سورۂ

هل اتی میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ نُسَبِّحُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ یَمْنَۃِ الْعَرْشِ قَبْلَ خَلْقِ الدُّنْیَا وَلَقَدْ سَکَنَ آدَمُ الْجَنَّۃَ وَنَحْنُ فِیْ صُلْبِہٖ وَلَقَدْ رَکِبَ نُوْحٌ السَّفِیْنَۃَ وَنَحْنُ فِیْ صُلْبِہٖ وَلَقَدْ قُذِفَ اِبْرَاھِیْمُ فِی النَّارِ وَنَحْنُ فِیْ صُلْبِہٖ فَلَمْ یَزَلْ یُقَلِّبُنَا اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ اَصْلَابٍ طَاھِرَۃٍ حَتّٰی انْتَھٰی بِنَا اِلٰی صُلْبِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرَ بِنِصْفَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ صُلْبِ عَبْدِ اللّٰہِ وَجَعَلَ عَلِیًّا فِیْ صُلْبِ اَبِیْ طَالِبٍ وَجَعَلَ فِیَّ النُّبُوَّۃَ وَالرِّسَالَۃَ وَجَعَلَ فِیْ عَلِیٍّ الْفُرُوْسِیَّۃَ وَالْفَصَاحَۃَ (انتہیٰ بقدر الحاجۃ)

(ترجمہ) انس ابن مالک سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "مجھ کو اور علی کو ایک ہی نور سے پیدا کیا گیا ہم یمین عرش میں خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ دنیا کی خلقت سے پہلے پھر جب حضرت آدمؑ جنت میں ٹھہرے تھے۔ تو ہم ان کے صلب میں تھے اور جب حضرت نوحؑ سفینے میں سوار ہوئے تو ہم ان کے صلب میں تھے۔ نیز جب حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو ہم ان کے صلب میں تھے۔ پس پروردگار ہمیں برابر ایک پاک صلب سے دوسرے پاک صلب کی طرف منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم صلب حضرت عبدالمطلب

تک پہنچے۔ پس اللہ نے اس نور کے دو ٹکڑے کیے۔ حضرت عبداللہ کے صلب
میں محمد کو رکھا۔ اور حضرت ابوطالب کے صلب میں علی کو۔ پھر محمد میں نبوت و
رسالت قرار دی اور علی میں شہسواری و فصاحت (انتہی بقدر ضرورت)

دلیل دوم۔ حمایت اسلام و نصرت رسول

(۱) علامہ ابن حجر مکی کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ میں تحریر فرماتے ہیں:
لَمَّا مَاتَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ اَوْصٰی بِمُحَمَّدٍ اِلٰی اَبِیْ طَالِبٍ فَکَفَلَہٗ وَاَحْسَنَ
تَرْبِیَتَہٗ وَسَافَرَ بِصُحْبَتِہٖ اِلَی الشَّامِ وَھُوَ شَابٌ وَلَمَّا بُعِثَ قَامَ
فِیْ نُصْرَتِہٖ وَذَبَّ عَنْہُ مَنْ عَادَاہُ وَمَدَحَہٗ بِعِدَّۃِ مَدَائِحَ مِنْھَا
قَوْلُہٗ لَمَّا اسْتَسْقٰی اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ نَسْقُوْا ؎
وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ + ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ
(ترجمہ) جب حضرت عبدالمطلب نے وفات پائی تو آپ نے حضرت محمد مصطفٰے
کے متعلق حضرت ابوطالبؑ سے وصیت کی۔ پس انہوں نے رسول اللہ کی
کفالت اور بہترین انداز سے آنحضرت کی تربیت کی۔ رسول اللہ نے حضرت ابوطالبؑ
کے ساتھ شام کا سفر بھی کیا جبکہ آپ جوان تھے۔ اور جب آپ مبعوث برسالت
ہوئے تو حضرت ابوطالب آپ کی امداد کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور آپؐ سے
دشمنوں کو دفع کرتے رہے۔ انہوں نے آنحضرت کی مدح میں بہت سے
قصیدے بھی لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک وہ مشہور شعر ہے جس میں اس واقعہ
کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اہل مکہ نے طلب باراں کیا تھا۔ اور آنحضرت کے

طفیل میں بارش ہوئی تھی۔ (ترجمہ شعر قصیدے کے ضمن میں گذر چکا ہے)

(۳) محدث علی ابن برہان الدین شافعی کتاب انسان العیون میں تحریر فرماتے ہیں "وکان ابوطالب یری کل لیلۃ یامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یاتی فراشہ ویضطجع فاذا نام الناس امر ما ھو اما احد بنیہ او غیرھم من اخوانہ او ابن عمہ ان یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یبالہ احد ممن یرید بہ السوء"

یعنی حضرت ابوطالبؑ ہر شب رسول اللہ کو فرماتے تھے کہ وہ اپنے بستر پر آئیں اور لیٹیں۔ پھر جب لوگ سو جاتے تھے۔ تو آپ رسول اللہ کو اٹھا لیتے تھے اور اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو ان کی جگہ پہ سلا دیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں آپ کو ان لوگوں میں سے کوئی نہ پالے جو آپ سے برائی کے ارادے پر رکھتے تھے۔

(۴) علامہ قرطبی نے اپنی کتاب الاعلام میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد خرج الی الکعبۃ یوما اراد ان یصلی فلما دخل فی الصلوۃ قال ابوجہل لعنہ اللہ من یقوم الی ھذا الرجل لیفسد علیہ الصلوۃ. فقام عبد اللہ بن الزبعری واخذ فرثا ودما فلطخ بہ وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم. فانتقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلوتہ والی الی ابی طالب عمہ وقال "یاعم الا تری ما فعل بی؟" فقال لہ ابوطالب "من فعل بک ھذا؟" فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "عبد اللہ بن الزبعری" فقام ابوطالب

اَبُوطَالِب فَوَضَعَ سَیْفَہٗ عَلٰی عَاتِقِہٖ وَمَشٰی حَتّٰی اَتَی الْقَوْمَ. فَلَمَّا رَاَوْہُ قَدْ اَقْبَلَ جَعَلُوْا لَہٗ. فَقَالَ اَبُوطَالِب" اِنْ قَامَ رَجُلٌ جَلَّلْتُہٗ بِسَیْفِیْ هٰذَا. ثُمَّ قَالَ "یَا بُنَیَّ مَنْ فَعَلَ بِکَ هٰذَا؟ فَقَالَ "عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الزِّبَعْرٰی" فَاَخَذَ اَبُوطَالِب فَرْثًا وَدَمًا فَلَطَخَ وُجُوْهَهُمْ وَثِیَابَهُمْ وَاَسَاءَ لَهُمُ الْقَوْلَ"

(ترجمہ) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لےگئے، اور نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، جب آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔ تو ابوجہل لعنۃ اللہ نے کہا۔ کون ہے ایسا جو اس مرد کی طرف اٹھ کر جائے، اور اس کی نماز کو فاسد کر دے" پس عبداللہ بن زبعری اُٹھا اور اس نے لید اور خون لیکر رسول اللہ کے چہرے پر مل دیا۔ نبی کریم نے نماز کو ترک کیا، اور اپنے چچا حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ کہا "چچا آپ دیکھتے ہیں کہ میرے ساتھ یہ کیا کیا ہے؟" حضرت ابوطالب نے پوچھا "یہ کس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے؟" نبی نے فرمایا "عبداللہ بن زبعری نے" پس حضرت ابوطالب اُٹھے، اپنی تلوار اپنے کاندھے پر رکھی، اور چلے یہاں تک کہ آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے، جب انہوں نے دیکھا کہ ابوطالبؑ آرہے ہیں۔ تو اُٹھنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ "خبردار! اگر کوئی اُٹھا۔ تو میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کر دوں گا۔" پھر آنحضرتؐ سے پوچھا۔ بیٹا! کس نے تمہارے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے؟" رسول اللہ نے فرمایا "عبداللہ ابن زبعری نے" پس حضرت نے بھی لید اور خون لیا۔ اور ان سب کے چہروں پر مل دیا، اور نہایت سخت و سُست کہا۔

(۴) مورخ ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: "عن هشام بن عروة عن ابيه،
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما نالت مني قريش شيئاً
اكرهه حتى مات ابو طالب" یعنی ہشام ابن عروہ نے اپنے والد سے روایت
کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قریش میرے ساتھ کوئی
ایسی بات نہ کر سکے جسے میں برا سمجھتا تھا، یہاں تک کہ ابو طالب دنیا سے اٹھ گئے"

(۵) مورخ ابن ہشام اپنی کتاب سیرۃ رسول اللہ میں لکھتا ہے۔ "قال ابن اسحٰق
ثم ان خديجة بنت خويلد وابا طالب هلكا في عام واحد فتتابعت
على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المصائب بهلاك خديجة وكانت
له وزير صدق على الاسلام يشكو اليها وبهلاك عمه ابي طالب وكان
له عضداً وحرزاً في امره ومنعة وناصراً على قومه وذالك قبل
مهاجره الى المدينة بثلاث سنين. فلما هلك ابو طالب
نالت قريش من رسول الله صلى الله عليه وسلم من الاذى مالم
تكن تطمع به في حياة ابي طالب حتى اعترضه سفيه من سفهاء
قريش فنثر على رأسه تراباً۔ قال لما نثر ذالك السفيه على
رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم ذالك التراب دخل رسول
الله صلى الله عليه وسلم بيته والتراب على رأسه فقامت اليه
احدى بناته فجعلت تغسل عنه التراب وهي تبكي ورسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول لها "لا تبكي يا بنية فان الله مانع اباك"
قال ويقول بين ذالك ما نالت مني قريش شيئاً اكرهه حتى مات ابو طالب"

(ترجمہ) ابن اسحٰق بیان کرتا ہے۔ کہ " پھر حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حضرت ابوطالب نے ایک ہی سال وفات پائی۔ اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پے در پے مصائب ٹوٹ پڑے (کچھ تو) حضرت خدیجہ کی وفات سے جو آپ کی تبلیغ اسلام میں سچی مددگار تھیں۔ اور ان سے آنحضرت اپنی تکلیفیں بیان کیا کرتے تھے اور (کچھ) آپ کے چچا حضرت ابوطالبؑ کی وفات سے جو آپ کے قوت بازو، آپ کے معاملہ تبلیغ میں محافظ، آپ کو دشمنوں سے بچانے والے، اور اپنی قوم کے خلاف آپ کی مدد کرنے والے تھے۔ یہ حادثات آپ کی ہجرت بطرف مدینہ سے تین سال قبل پیش آئے تھے۔ پس جب حضرت ابو طالبؑ دنیا سے اٹھ گئے، تو کفار قریش آنحضرت کو وہ اذیتیں پہنچانے لگے۔ جن کی ابو طالبؑ کے جیتے جی وہ طمع بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہ قریش کے بیوقوفوں میں سے ایک بیوقوف آنحضرت کے سامنے سے گذرا تو اس نے آپ کے سر مطہر کے اوپر خاک ڈال دی۔ راوی نے بیان کیا۔ کہ جب اس بیوقوف نے آپ کے سر پر خاک ڈالی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں اسی حالت میں تشریف لے گئے کہ وہ خاک آپ کے سر پر پڑی تھی۔ پس آپ کی بیٹیوں میں سے ایک اٹھی اور آپ کے سر سے وہ خاک دھونے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ روتی بھی جاتی تھی۔ اور رسول اللہ اس سے فرماتے تھے۔ کہ بیٹی نہ رو، خدا تمہارے باپ کو بچانے والا ہے۔" اور اسی درمیان میں یہ بھی فرماتے جاتے تھے۔ کہ " افسوس، قریش مجھ سے کوئی بات نہ کر سکے تھے۔ جسے میں برا سمجھتا۔ یہاں تک کہ چچا ابو طالب نے انتقال کیا۔ تو اب یہ سب کچھ ہونے لگا" (حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد۔

(۶) مؤرخ مذکور قریش کے معاشی مقاطعہ اور رسول اللہ کے مع دیگر اعزاد و اقارب شعب ابی طالب میں قیام کے سلسلے سے رقمطراز ہے "وَرَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ (وَآلِہٖ) وَسَلَّمَ عَلٰی ذَالِکَ یَدْعُوْ قَوْمَہٗ لَیْلًا وَنَہَارًا وَسِرًّا وَجِہَارًا مُنَادِیًا بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَتَّقِیْ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ فَجَعَلَتْ قُرَیْشٌ حِیْنَ مَنَعَہُ اللّٰہُ مِنْہَا وَقَامَ عَمُّہٗ وَقَوْمُہٗ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ وَبَنِی الْمُطَّلِبِ دُوْنَہٗ وَحَالُوْا بَیْنَہُمْ وَبَیْنَ مَا اَرَادُوْا مِنَ الْبَطْشِ بِہٖ یَسْتَہْزِئُوْنَ بِہٖ"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قریش کے معاشی مقاطعہ کے باوجود اپنی قوم (اہل مکہ) کو دن رات علانیہ و پوشیدہ ہر طرح دعوت اسلام دیتے رہے کلمہ حق کا اعلان کرتے رہے اور بغیر کسی سے خوف کئے ہوئے، پس جب قریش نے یہ دیکھا کہ اللہ نے آنحضرت کو ان کے شر سے بچالیا ہے۔ اور آپ کے چچا اور آپ کی قوم بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب آپ کی حمایت پہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں نیز قریش آنحضرت پہ جو سختیاں کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں یہ لوگ سائل ہو جاتے ہیں تو انھوں نے آپ کا مذاق اڑانا اور اشارے بازیاں کرنا شروع کیا (ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام بر حاشیہ زاد المعاد صفحہ ۱۹۲ جلد اول مطبوعہ مصر)

(۷) مؤرخ مذکور اپنی اسی کتاب میں رقمطراز ہے۔ کہ "کفار قریش جب پہلی دفعہ رسول اللہ کی شکایت لیکر حضرت ابوطالب کی خدمت میں آئے تو آپ نے انہیں کچھ خوش آئند باتیں کہہ کر ٹال دیا۔ اور ادھر رسول اللہ کو کچھ نہ کہا پھر جب قریش نے دیکھا۔ کہ رسول اللہ تو تبلیغ اسلام سے باز ہی نہیں آتے۔ تو وہ لوگ اکٹھے ہو کر پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور اس دفعہ یہ کہا۔ کہ "یا ابو محمدؐ

کو منع کر دو، یا ہم سے جنگ کر دو"۔ اب حضرت ابو طالب (بزعم مورخ) پیچ و تاب میں پڑ گئے۔ اور آپ نے رسول اللہ کو بلا کر فرمایا "بیٹا یہ تمہاری قوم کے لوگ تم سے کچھ شکایت رکھتے ہیں، لہٰذا تم مجھ پر اور خود اپنے پر رحم کرو، اور مجھ پر وہ بار نہ ڈالو جس کی مجھ میں طاقت نہ ہو"

رسول اللہ نے یہ سن کر خیال فرمایا۔ کہ شاید چچا کو اب کوئی نیا خیال پیدا ہوا ہے اور وہ مجھے چھوڑنے والے ہیں۔ لہٰذا آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ "چچا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج رکھدیں اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھدیں۔ اور پھر یہ چاہیں۔ کہ میں اس تبلیغ کو چھوڑ دوں۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا" اس کے بعد آپ رو پڑے، اور اٹھ کر چلے ہی تھے۔ کہ ابو طالب نے پکار کر کہا۔ "بیٹا یہاں آؤ۔" آنحضرت قریب آگئے، تو فرمایا "جاؤ بیٹا! جو تمہارے جی میں آئے وہ کہو، میں تمہیں کسی حال میں بھی چھوڑ نہیں سکتا" (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۳۵)

تبصرہ ۔ اولاً اس روایت کا وہ حصہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابو طالب قریش کی دھمکیوں سے گھبرا گئے تھے۔ قابل یقین نہیں معلوم ہوتا کیونکہ حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابو طالب کبھی قریش سے خائف ہوئے ہوں یا آپ نے کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی رسول اللہ کو چھوڑنے کا ارادہ کیا ہو، ثانیاً۔ اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ بمقتضائے بشریت آپ پر گھبراہٹ طاری ہی ہو گئی تھی۔ تو اس میں بھی آپ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ جب آپ نے اپنے بھتیجے کی پختہ کاری اور بلند ہمتی ملاحظہ فرمائی تو ان کی سچائی کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا۔ اور پھر آپ نے ہر حالت میں نصرت

وحمایت کا وعدہ کر لیا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ شاید صرف رسول اللہ کے عزم و ثبات کو آزمانے کیلئے حضرت ابوطالبؑ نے شروع میں ایسے کلمات کہے ہوں۔ جن سے رسول اللہ کو کچھ مایوسی سی محسوس ہوئی ہو۔

(۸) مورخ مذکور پھر لکھتا ہے کہ "جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوطالبؑ حمایت ونصرتِ رسول سے کسی طرح باز ہی نہیں آتے۔ تو وہ ایک نوجوان عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ کو لیکر آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے" اباطالب، یہ قریش کا سب سے زیادہ خوبصورت اور رعنا جوان ہے۔ آپ اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور محمد کو اس کے بدلے میں ہمیں دیدیں۔ تاکہ ہم انہیں قتل کردیں"۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا۔ "یہ اچھی کہی۔ میں تو تمہارے فرزند کو لے کر پرورش کروں۔ اور تم ہمارے فرزند کو لے کر قتل کر ڈالو، جاؤ بھاگ جاؤ۔ اس قسم کی ہرگز کوئی بات نہ ہوگی"

(ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام صفحہ نمبر ۱۳۰)

(۹) علامہ ابن ہشام مذکور ایک دوسرے مقام پر یوں خامہ فرسا ہوتا ہے،
"وَمَنَعَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ بِعَمِّهٖ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَدْ قَامَ اَبُوْ طَالِبٍ حِیْنَ رَاٰی قُرَیْشًا یَصْنَعُوْنَ مَا یَصْنَعُوْنَ فِیْ بَنِیْ هَاشِمٍ وَبَنِی الْمُطَّلِبِ فَدَعَاهُمْ اِلٰی مَا هُوَ عَلَیْهِ مِنْ مَنْعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْقِیَامِ دُوْنَهٗ، فَاجْتَمَعُوْا اِلَیْهِ وَقَامُوْا مَعَهٗ الخ"۔ یعنی اللہ نے اپنے رسول کو کفارِ قریش کے شر سے ان کے چچا حضرت اَبُوطالبؑ کے ذریعے محفوظ کیا۔ پھر جب حضرت ابوطالب نے دیکھا۔ کہ قریش والے کیا کیا شرانگیزیاں کر رہے ہیں۔ تو آپ بنی ہاشم و بنی مطلب کے درمیان کھڑے ہوئے اور انہیں

اس امر کی دعوت دی جس پر وہ خود قائم تھے۔ رسالتمآب کی نصرت و حفاظت کے سلسلے میں۔ پس بنی ہاشم و بنی مطلب آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۴۱)

باب پنجم

بعض روایات پر خصوصی تبصرے

(۱) علامہ ابن ہشام اپنی کتاب سیرت رسول اللہؐ میں تحریر فرماتے ہیں "وَذَکَرُوا اَنَّہٗ لِعَلِیٍّ اَیْ بُنَیَّ مَا ھٰذَا الدِّیْنُ الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْہِ فَقَالَ یَا اَبَتِ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَبِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَصَدَّقْتُہٗ بِمَا جَاءَ بِہٖ وَصَلَّیْتُ مَعَہٗ لِلّٰہِ وَاتَّبَعْتُہٗ فَزَعَمُوْا اَنَّہٗ قَالَ لَہٗ اَمَا اِنَّہٗ لَمْ یَدْعُکَ اِلَّا اِلَی الْخَیْرِ فَالْزَمْہُ" (ترجمہ) راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوطالب نے حضرت علی سے فرمایا۔ اے بیٹا یہ کیا دین ہے۔ جس پر تم عمل پیرا ہو؟" تو حضرت علی نے عرض کی "پدر بزرگوار! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اور ان کی ان چیزوں میں تصدیق کی۔ جنہیں لیکر وہ مبعوث ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ خوشنودی خدا کے لیے نماز پڑھی اور ان کا اتباع کیا۔ پس حضرت ابوطالب نے فرمایا "محمدؐ نے تمہیں نیکی ہی کی طرف بلایا ہے۔ لہٰذا ان کا اتباع کرو۔"

تبصرہ: اس روائت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوطالبؑ ایمان باللہ ایمان بالرسول اور دیگر مذکورۃ الصدر چیزوں کو خیر جانتے تھے۔ لہٰذا بے شبہ وہ خود بھی صاحب ایمان تھے۔ ورنہ اپنے بیٹے کو ان امور کی پابندی کا حکم ہی

کیوں فرماتے؟

(۲) مورخ مذکور کتاب مذکور میں قریش کا بنی ہاشم سے معاشی مقاطعہ اس کے متعلق عہدنامہ اور پھر عہدنامے کا ٹوٹنا وغیرہ بیان کرکے اسی سلسلے میں لکھتا ہے:

"وَذَكَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي طَالِبٍ يَا عَمِّ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَّطَ الْأَرَضَةَ عَلَى صَحِيفَةِ قُرَيْشٍ فَلَمْ تَدَعْ فِيهَا اسْمًا هُوَ لِلّٰهِ إِلَّا أَثْبَتَتْهُ فِيهَا وَنَفَتْ مِنْهَا الظُّلْمَ وَالْقَطِيعَةَ وَالْبُهْتَانَ. فَقَالَ أَرَبُّكَ أَخْبَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ. قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا يَدْخُلُ عَلَيْكَ أَحَدٌ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى قُرَيْشٍ. فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنَّ ابْنَ أَخِي أَخْبَرَنِي بِكَذَا وَكَذَا فَهَلُمَّ صَحِيفَتَكُمْ فَإِنْ كَانَتْ كَمَا قَالَ ابْنُ أَخِي فَانْتَهُوا عَنْ قَطِيعَتِنَا وَانْزِلُوا عَمَّا فِيهَا وَإِنْ كَانَ كَاذِبًا دَفَعْتُ إِلَيْكُمُ ابْنَ أَخِي فَقَالَ الْقَوْمُ رَضِينَا فَتَعَاقَدُوا عَلَى ذٰلِكَ ثُمَّ نَظَرُوا فَإِذَا هِيَ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یعنی بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب سے فرمایا: "اے چچا! خدا نے قریش کے عہدنامے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے پس اس نے خدا کے نام کے سوا تمام ظلم و عدوان کی باتوں اور بیجا بہتانوں کو ختم کر دیا ہے"۔ حضرت ابوطالبؑ نے پوچھا "کیا یہ تمہارے خدا نے تم کو خبر دی ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں" پس حضرت ابوطالبؑ نے کہا "خدا کی قسم تم تک اب کوئی نہیں پہنچ سکتا"۔ پھر ابوطالب قریش کے پاس گئے اور کہا "اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے مجھے ایسی ایسی خبر سنائی ہے۔ لہٰذا اپنا صحیفہ لاؤ اگر وہ ویسا ہی ہے۔ جیسا میرے بھتیجے نے بتایا

ہے۔ تو ہمارے مقاطعے سے باز آؤ۔ اور جو کچھ اس عہد نامے میں ہے۔ اس کو ختم کرو۔ اور اگر میرا بھتیجا (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ تو میں اُسے تمہارے حوالے کئے دیتا ہوں"۔ پس قریش والے اس امر پہ راضی ہو گئے۔ اور آپس میں عہد و پیمان مستحکم ہو گئے۔ پھر انہوں نے عہد نامے کو دیکھا۔ تو وہ ویسا ہی تھا جیسا رسول اللہ نے فرمایا تھا۔

تبصرہ ؛ اس روایت سے دو امر واضح ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پہ حضرت ابوطالب کو اتنا یقین تھا۔ کہ جب انہوں نے یہ دریافت کر لیا۔ کہ وہ خبر آنحضرت کو ان کے خدا نے پہنچائی تھی۔ تو آپ نے نہایت وثوق کے ساتھ کہا۔ کہ اب تم تک کوئی دشمن نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی تم اب بالکل محفوظ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ کی حمایت محض رشتے کی بنا پہ نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ کی نصرت و حمایت زیادہ تر اس امر پہ مبنی تھی۔ کہ آپ کو آنحضرت کی صداقت و حق گوئی کا یقین کامل تھا چنانچہ اس موقع پہ آپ نے نہایت بے باکی سے قریش کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا کہ اگر رسول اللہ (معاذ اللہ) کاذب ثابت ہوئے۔ تو آپ انہیں قریش کے حوالے کر دیں گے۔ حضرت ابوطالب کی یہ جرأت صاف بتاتی ہے۔ کہ انہیں جناب رسالتمآب کی باتوں کا یقین کامل تھا۔ اور وہ انہیں خدا کا ایسا نبی مانتے تھے۔ جس کو اللہ غیب کی خبریں بتاتا تھا۔ یہ آپ کے ایمان کی مکمل دلیل ہے۔

(۱۸) تاریخ ابن عساکر میں ہے۔ "عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ قَالَ لِجَعْفَرٍ لَمَّا اَسْلَمَ اَقْبِلْ جَنَاحَ ابْنِ عَمِّكَ. فَصَلّٰى جَعْفَرٌ مَعَ النَّبِيِّ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ (ترجمہ) عمران ابن حصین سے روایت ہے۔ کہ حضرت ابوطالب نے اپنے فرزند حضرت جعفر سے جب وہ مشرف با سلام ہوئے تو فرمایا: "اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ" پس حضرت جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔

تبصرہ، خدارا انصاف کیجئے، اگر حضرت ابوطالبؑ خود مسلمان نہ ہوتے تو اپنے فرزند حضرت جعفر کو نماز کی تاکید کیوں کرتے؟ حضرت ابوطالبؑ کا اپنے بیٹوں کو اتباع رسولؐ پہ آمادہ کرنا ہی ان کے کامل الایمان ہونے کی دلیل بیّن ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ۔

(۵) یہ امر متفقہ طور پہ ثابت ہے۔ کہ جب حضرت عبدالمطلبؑ دنیا سے جانے لگے تھے۔ تو آپ نے اپنے دُرِ یتیم نبی کریمؐ کو حضرت ابوطالبؑ ہی کے حوالے کیا تھا اور انہیں کو آنحضرتؐ کا مربی تجویز فرما کر مخصوص وصیتیں کی تھیں۔ نیز حضرت ابوطالبؑ ہی حضرت عبدالمطلبؑ کے تمام امور میں جانشین تھے، حضرت عبدالمطلبؑ کا یہ حال تھا۔ کہ جاہلیت کی رسوم شرک سے اپنا دامن پاک رکھتے تھے۔ وہ موحّد اور دین ابراہیمؑ کے متبع تھے۔ ان کے بعض واقعات جنہیں ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔ یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ مقرب بارگاہ الٰہی اور مؤید من اللہ تھے: لہٰذا ان کا اپنے تمام فرزندوں میں سے ایک حضرت ابوطالبؑ کو تربیت رسولؐ اور تولیت خانہ کعبہ کیلئے منتخب کرنا یہ بتاتا ہے۔ کہ وہ اچھی ہی طرح حضرت ابوطالبؑ کو بھی موحّد، پاکباز اور متبع دین ابراہیمی سمجھتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے متعلق علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں

فَمَنْ کَانَ مُقِرًّا بِالتَّوْحِیْدِ مُثْبِتاً لِلتَّوْحِیْدِ، تَارِکاً لِلتَّقْلِیْدِ عَبْدُ الْمُطَّلِب بْنُ ھَاشِم بِنْ عَبْدِ مُنَافْ، یعنی (اہلِ عرب میں) وہ لوگ جو توحید کے قائل، عذاب و وعید کو ثابت کرنے والے اور تقلید بے جا کو چھوڑنے والے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے۔

(ملاحظہ ہو مروج الذہب صفحہ نمبر ۴۷)

جس وقت ابرہہ اپنی فوجیں اور ہاتھی لیکر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا، تو مکّہ کے قریب اس کے آدمیوں نے حضرت عبد المطلبؑ کے دو سو اونٹ ہانک لیئے۔ حضرت عبد المطلب ابرہہ کے پاس گئے۔ تو وہ آپ کی پیشانی میں نور محمدی دیکھ کر بے انتہا متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ "عبد المطلب جو تمہیں مانگنا ہے مانگو"۔ حضرت عبد المطلب نے بھی اپنے دو سو اونٹ طلب کئے جنہیں بادشاہ کے آدمی ہنکا لے گئے تھے۔ ابرہہ نے صرف اونٹوں ہی کا ذکر جو سنا تو متعجب ہو کر کہنے لگا آپ اپنے اونٹوں کا تو مطالبہ کرتے ہیں۔ اور مجھ سے یہ درخواست نہیں کرتے کہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے سے باز آ جاؤں" یہ سُنکر حضرت عبد المطلب نے وہ جواب دیا، کہ دشمن خدا ہکا بکا رہ گیا آپ نے فرمایا "اَنَا رَبُّ هٰذِهِ الْاِبِلِ وَلِلْبَیْتِ رَبٌّ سَیَمْنَعُہٗ مِنْکَ" یعنی میں ان اونٹوں کا مالک ہوں (لہٰذا انہیں طلب کرتا ہوں) اس طرح اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ جو اسے تیرے ظلم سے بچا لے گا"

(ملاحظہ ہو مروج الذہب جلد ثانی صفحہ ۴۷، سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۳۳)

چاہ زمزم کھودنے کے سلسلے میں بھی حضرت عبد المطلبؑ کے متعلق ایسے واقعات

ملتے ہیں۔ جن سے آپ کا مؤید من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مورخ ابن ہشام نے واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو کئی مسلسل خوابوں میں بتایا گیا۔ کہ فلاں جگہ پر چاہ زمزم ہے۔ لہذا اُٹھو اور کھود و۔ جب آپ نے مقام معین پر کھودا۔ تو نہایت صاف و شیریں پانی نکلا۔ ادھر قریش کے دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا۔ تو کہنے لگے کہ ہمارا بھی اس میں حصہ ہے حضرت عبدالمطلب نے فرمایا۔ کہ نہیں، یہ خدا کی طرف سے ہمیں دیا گیا ہے۔ اس امر پر تکرار ہوئی۔ آخر طے یہ ہوا۔ کہ ملک شام میں کاہنہ بنی سعد بن ہذیم سے فیصلہ کرایا جائے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب اپنے چند اعزا کے ساتھ اور قریش کے دوسرے بڑے بڑے سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ صحرا میں پہنچکر حضرت عبدالمطلب کا پانی ختم ہو گیا۔ انہوں نے قریش کے دوسرے سرداروں سے پانی طلب کیا۔ لیکن ان لوگوں نے صاف انکار کیا۔ آخر کار حضرت عبدالمطلب اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے کہ "ہم سب اپنی اپنی قبریں آپ ہی کھود لیں۔ تاکہ ہم میں سے جو جو مرتا جائے اُسے زندہ رہنے والے دفن کرتے جائیں۔ اور آخر میں صرف ایک آدمی اکیلا بچے جو صحرا میں مُردہ پڑا رہے" اس تجویز پر عمل ہوا۔ اور قبریں کھودی گئیں۔ کچھ دیر قبروں میں بیٹھکر انتظارِ موت کرتے رہے۔ اِدھر یہ سب کچھ ہو رہا اور اُدھر دوسرے قریشی سردار جن کے پاس پانی موجود تھا بے رحمی سے ان حالات کو دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عبدالمطلب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے عزیزو! اس طرح انتظارِ موت میں بیٹھنا عاجزی ہے۔ لہذا ہمیں کوچ کرنا چاہیئے۔

شاید اللہ کہیں سے ہمیں پانی عنایت فرمائے" چنانچہ ہاشمین نیار ہو گئے۔ اب حضرتؑ عبدالمطلب اپنی سواری کی طرف بڑھے ابھی سواری نے کوچ کے لئے اپنے قدم اُٹھائے ہی تھے۔ کہ اس کے پیروں کے نیچے سے صاف و شفاف چشمہ پھوٹ نکلا، حضرت عبدالمطلب اور ان کے اصحاب نے خوشی میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ اور قریشی سردار محوِ حیرت رہ گئے۔ ذرا ہاشمی جود و کرم اور بلندیٔ اخلاق تو دیکھیئے۔ کہ حضرتؑ عبدالمطلب نے انہیں بے رحم سرداروں کو آواز دی کہ آؤ، اللہ نے ہمیں پانی دیا ہے لہٰذا تم بھی سیراب ہو" وہ لوگ آئے اور سیراب ہوئے پھر کہنے لگے۔ عبدالمطلب! اب چاہِ زمزم کے بارے میں ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ کیونکہ جس خدا نے تم کو اس بیابان میں پانی دیا، اُسی نے تم کو چاہ زمزم بھی دیا ہے" آخر کار سب کے سب مکے کو واپس ہو گئے (ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۷۸۔۷۹)

اِسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات حضرت عبدالمطلبؑ۔ حضرت ہاشمؑ اور حضرت عبداللہؑ وغیرہم کے متعلق ملتے ہیں جنہیں تطویل کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ ان واقعات سے حضرت عبدالمطلب اور تمام آباؤ اجداد نبیؐ کا موحد بدین اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ تمام حضرات دینِ ابراہیم علیہ السلام پہ تھے۔ پس جس طرح حضرت عبدالمطلب دین ابراہیم پر تھے۔ اُسی طرح آپ کے خلف الصدق جناب ابو طالبؑ بھی بعثتِ رسولؐ سے پہلے دین ابراہیم پہ تھے۔ اور جب اعلان نبوت ہوا تو اس کی کما حقہٗ تصدیق فرمائی۔ کیونکہ یہ بعثت سے پہلے ہی مختلف نشانیاں جناب رسالتمآب میں دیکھ چکے تھے۔ بحیرا اور دوسرے صاحبانِ علم کی پیشین گوئیاں سُن چکے تھے۔

علامہ مسعودی مروج الذہب میں رقمطراز ہیں "وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يُوصِي وُلْدَهُ بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَاِطْعَامِ الطَّعَامِ وَيُرَغِّبُهُمْ نَحْلَ مِنْ يَرَاعِي فِي الْمُتَعَقِّبِ مَعَادًا وَبَعْثًا وَنُشُورًا وَجَعَلَ السِّقَايَةَ وَالرِّفَادَةَ لِابْنِهِ عَبْدِ مَنَافٍ وَهُوَ اَبُو طَالِبٍ وَاَوْصَاهُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... وَقَدْ كَانَ اَكْبَرُ الْعَرَبِ مِمَّنْ بَقِيَ وَهُوَ يُقِرُّ بِالصَّانِعِ وَيَسْتَدِلُّ عَلَى الْخَالِقِ۔ یعنی حضرت عبدالمطلب اپنے فرزندوں کو صلہ رحم اور غریبوں کو کھانا کھلانے کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔ آپ انہیں یوں نیک اعمال کی رغبت دلایا کرتے تھے جیسے وہ شخص جو قیامت اور قیامت کے بعد بعثت وحشر ونشر کا قائل ہو۔ آپ نے حاجیوں کو پانی پلانے اور ان کی ضیافت کرنے کا منصب اپنے بیٹے عبد مناف کو دیا۔ عبد مناف وہی ہیں جنہیں ابو طالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہیں سے حضرت عبدالمطلب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وصیت بھی کی تھی۔ وہ (یعنی ابو طالبؑ) تمام عرب کے باقیماندہ لوگوں میں بزرگترین شخص تھے۔ وہ صانع عالم کا اقرار کرتے تھے۔ اور خالق کائنات کا وجود ثابت کرتے تھے۔

خاتمہ

حضرت ابو طالبؑ کا بے پناہ تدبر

اِن دلائلِ قاطعہ و براہین ساطعہ کے بعد حضرت ابو طالبؑ کے ایمان میں شک کرنا نری ہٹ دھرمی ہے۔ آپ کی ذات والا صفات سے اسلام کو جو تقویت

پہنچی اس سے انکار کرنا گویا روزِ روشن میں وجودِ آفتاب کا منکر ہونا ہے۔ بانیٔ
اسلام زندگی بھر اپنے پیارے چچا کو فراموش نہ کر سکے۔ اسلام کی تاریخ میں وہ
نہایت ہی منحوس سال تھا۔ جس میں حضرت محمد مصطفےٰؐ ان کے محترم چچا
ابوطالب بچھڑ گئے۔ یہ سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "عام الحزن"
(یعنی غم و اندوہ والا سال) تھا۔ ابوطالبؑ کا دنیا سے اٹھنا تھا۔ کہ رسول اللہ
کا مکے میں رہنا دشوار ہو گیا۔ اور آخرکار خدا کے حبیب کو اپنا محبوب وطن ترک
ہی کرنا پڑا۔ مسلمانو! خدارا ان نیم ملاؤں سے پوچھو، جو حضرت ابوطالب
رضوان اللہ علیہ کو کافر کہتے ہیں۔ کہ آخر وہ رسول اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟
سچ کہو کیا کسی کی مجال تھی۔ کہ بارگاہ رسالت میں حضرت ابوطالب کیلئے کوئی
ناسزا کلمہ کہہ سکتا؟ اگر نہیں، اور ہرگز نہیں۔ تو خدا کے لئے خوفِ خدا
کرو اور اپنے نظریات کی اصلاح کر دیکھو، میں بتاتا ہوں حضرت ابوطالب
خدا اور رسول کے نزدیک تو اپنی زندگی تک روحِ روانِ اسلام تھے۔ البتہ اسلام
کے دشمن انہیں مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابوطالبؑ کا بھی وہ بے پناہ
تدبر تھا جس نے ہزاروں دشمنوں کے بیچ میں یتیم عبداللہ کی تحریک کو پروان
چڑھنے کا موقع دیا۔

بات یہ تھی کہ حضرت ابوطالبؑ اپنی قوم اور سارے عرب کے معزز ترین سردار
تھے۔ بالخصوص قریش کی نگاہوں میں جو عزت و تعظیم ان کی تھی۔ وہ کسی کی
نہ تھی۔ لیکن مذہب کا معاملہ کچھ ایسا بیڈھب ہوتا ہے۔ کہ آدمی اپنے عزیز و
اقارب، ماں باپ، بلکہ محبوب و معشوق کو بھی چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتا

ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش کے لوگ اُسی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)
کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ جس کو وہ ہمیشہ سے صادق و امین کہتے چلے
آئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت نے ان کے مذہب کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔
پس اگر کفار قریش کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ابو طالب بھی ان کے مذہب سے
پھر گئے ہیں۔ اور وہ بھی ان کے خداؤں کو کھلم کھلا برا کہنے لگے۔ تو خواہ وہ
کتنے ہی محترم و معزز سردار تھے۔ لیکن اس اختلافِ مذہب کی وجہ سے
قریش کی نگاہوں سے اُن کا سارا وقار یک قلم محو ہو جاتا۔ اور پھر وہ ابو طالب
سے جنگ کرنے اور تمام عرب کو ان کے خلاف ابھارنے میں ذرا بھی نہ جھجکتے
ایسی صورت میں اگر سارے بنی ہاشم ابو طالب کا ساتھ بھی دیتے۔ تو بھی
نہ وہ ابو طالب کو دشمنوں سے بچا سکتے تھے۔ اور نہ ابو طالب رسول اللہ کو
نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ (خاکم بدہن) اسلام کی تحریک روزِ اوّل ہی ختم ہو کے رہ جاتی
لہٰذا حضرت ابو طالب نے ان تمام حالات پر ایک کامل مدبر کی حیثیت
سے غور فرمایا۔ اور آخر کار اپنے لئے وہ راہ اختیار فرمائی جس پر گامزن ہو کر
وہ تحریک اسلام کو زیادہ سے زیادہ کامیاب ہونے کا موقع فراہم کر سکتے
تھے۔ وہ راہ یہی تھی کہ جاہل اور اکھڑ بت پرستوں کی بیباک
تلواروں کو اُتنے دنوں تک روکے رکھا جاتا۔ کہ خدا کا آخری پیغام کچے حق شناس
قلوب کی تہہ میں پہنچ کر راسخ ہو جاتا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام بیت الشرف رسول سے
نکل کر دوسرے گھروں میں بھی جاگزیں ہو جاتا۔ چنانچہ حضرت ابو طالب
بہت دنوں تک تو اپنی وفات کی آڑ لیکر قریش کی شکایتوں کو یونہی ٹالتے

رہے پھر کچھ خوش کن وعدے کرتے رہے۔ اور اس طرح قریشی بت پرستوں کو بھلاوے میں ڈالتے رہے۔ تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی بڑھتا رہے جب حالات یوں بھی قابو سے باہر ہونے لگے انوان کے دکھانے کیلئے کبھی کبھی کچھ رسول اللہ سے بھی کہہ دیا کہ ہاں بیٹا ایسا نہ کیا کرو۔ غرض کہ بہت دنوں تک یوں ہی کام چلتا رہا۔ اور قریش کے اکھڑ بت پرست صرف حضرت ابوطالبؑ کے خوف سے اپنے دِل ہی دل میں خون پیتے رہے کیونکہ انہیں ابوطالب سے بگاڑ کرنے کا کوئی کھلا ہوا بہانہ نہیں ملتا تھا۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور قریشیوں نے دیکھا کہ ابوطالب تو در پردہ تحریک اسلام کی ہر طرح امداد ہی کر رہے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے وہ تحریک شہر کے کونے کونے تک پہنچی جا رہی ہے۔ تو انہوں نے ابوطالب سے بھی بگاڑ کی ٹھانی۔ اس کی مخالفت پر کمر کو اٹھایا۔ ان کے خلاف پروپیگنڈے کئے۔ یہاں تک کہ ان سے معاشی مقاطعہ بھی کر لیا۔ لیکن ظاہر اً لیکہ سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حضرت ابوطالب نے اپنا بھرم باقی رکھا تھا۔ انہوں نے کفار قریش پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ کہ وہ بھی پرانے مذہب سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔

اگرچہ تہ تک سے دیکھنے والے کافر یہ بھی جانتے تھے۔ کہ ابوطالب پکے مسلمان ہیں۔ لیکن پھر بھی اس حقیقت کو ثابت کرنے کا کوئی واضح ثبوت نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ دل ہی دل میں کڑھتے اور زبان سے برا بھلا کہتے رہے۔ مگر ایسی جنگ کا بہانہ نہ ڈھونڈھ سکے جس میں وہ ابوطالب

کے خلاف تمام قبائل عرب کو شامل کر سکتے،

پس حکمتِ عملی کو ایمان کہیے یا کفر، تقیہ کہیے یا تدبّر، بہر حال اگر اس پر عمل نہ کیا گیا ہوتا۔ تو آج اسلام کا نام بھی نہ ہوتا مسلمان جو چاہیں کہیں۔ لیکن خدا کا رسول حضرت ابو طالب کی ان مساعی جمیلہ کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ ابو طالبؑ کے دشمن انہیں کافر کہیں تو کہیں، لیکن ان کے فرزند، ان کے گھر والے اور ان کے خاندان کے تمام افراد اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ وہ ایک مومنِ کامل اور محسنِ اسلام تھے چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا اتفاق اجماع ہے۔ کہ حضرت ابو طالب صاحبِ ایمان تھے، اور ان کے ایمان میں شک کرنے والا گنہگار ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ،